اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر
رہائش ۲
دار العلوم ۴
الحق ۴۰

جلد نمبر ۲۱
شمارہ ۹
رمضان/شوال ۱۴۰۶ھ
جون ۱۹۸۶ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰/- روپے	بیرون ملک بحری ڈاک	چھ پونڈ
فی پرچہ	چار روپے	بیرون ملک ہوائی ڈاک	دس پونڈ

مولانا سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شریعت بل وقت کی ضرورت، قوم اور ملک کی تقدیر، اسلامیان ملک کے دلوں کی دھڑکن اور حکومتِ وقت کے گلے کا ہار بن چکا ہے۔ مارشل لاء کے دور میں نفاذ شریعت کا مژدہ ہی مژدہ سنایا جاتا رہا۔ علماءِ حق کے مساعی سے آئینی طور پر جو پیش رفت ہوئی عملاً اس کی بھی گت بنائی جاتی رہی، جمہوریت آئی، نئے وعدے اور دعوے ہمراہ لائی مگر اسلامائیزیشن کے اعلانات و بیانات کے باوجود اندرون خانہ شریعت بل کو ڈائنامیٹ کردینے کے عزائم کھل کر سامنے آتے رہے، ۹ سال کے عرصہ میں بعض جزوی آئینی تحفظات سے قطع نظر عملاً حکومتی کردار، دین کے مسلمات سے تلاعب، تمسخر اور اسلامی آئین کو مشقِ تحریف بنانے کے سوا کچھ نہیں رہا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اب حکومت نے بھی علماءِ حق کے شریعت بل کے علاوہ اپنا حکومتی شریعت بل بھی پیش کرنیکا فیصلہ کرلیا ہے۔ جس سے مسلمانوں کی مزید دل شکنی، نظریۂ پاکستان سے انحراف، باہمی تفریق و انتشار، ملکی سالمیت کے نقصان اور سوائے ضیاعِ وقت و سرمایہ کے اور کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے نفاذ شریعت کے اعلانات اور منصوبوں سے محض دفع الوقتی مقصود ہے، حکومتی شریعت بل اسلام کو ماڈرن بنانے اور اس کا حلیہ بگاڑنے کا ایک نیا مشغلہ ہے۔ مگر یاد رہے کہ اسلامیان پاکستان کو وہ اسلام درکار ہے جو محمد عربی، خلفائے راشدین اور ائمہ امت کی وساطت سے پہنچا ہے، عیسائی و یہودی مستشرقین اور ان کی روحانی اولاد کی وساطت سے پہنچنے والا اسلام ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا۔ ایسے حالات کے پیش نظر، قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے شریعت محاذ کے ارکان، ہم خیال ممبران پارلیمنٹ، علماء کرام مشائخ عظام اور تمام مکاتب فکر کے مذہبی، سیاسی اور قومی رہنماؤں کا ۲۹ رجون کو راولپنڈی میں ایک نمائندہ کنونشن بلایا، جس کے نتیجے میں متحدہ شریعت محاذ کی تشکیل ہوئی۔ سردست محاذ نے ۴ رجولائی کو پورے ملک میں یوم شریعت منانے اور ۷ رجولائی کو اسلام آباد میں اسمبلی ھال کے سامنے شریعت بل کی فوری منظوری و نفاذ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑا احتجاجی مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ابتدائی مرحلہ ہے، یہ موقعہ بھی حکومت اور ارباب اقتدار کو اپنا محاسبہ کرنے اور نفاذ شریعت کے بارے میں اپنا رویہ و پالیسی بدلنے کی ایک مہلت ہے، اس قدر مختصر ترین وقت میں جسقدر زور و شور اور جذبہ و ایثار سے پورے ملکی سطح پر احتجاجی مظاہرہ میں شرکت کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی فیصلے بدلنے والے ہیں۔ اب تک حکمران پوچھتے رہے کہ اسلام چاہتے ہو یا کوئی دوسرا نظام مگر اب حالات کا دھارا بدل چکا ہے، فیصلہ عوام اپنے ہاتھ میں لے چکے ہیں اب مزید اسلام کی مالا جپنے کی بجائے، شریعت بل کو منظور و نافذ کرنا ہوگا، یا پھر اپنے پیشرؤں کی طرح ایک داستان عبرت، ایک بدترین انجام اور ذلت و رسوائی کی موت مرنا ہوگا۔

"ادارہ"

بیا بہ مجلس شیخ الحدیث

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب ۔ مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

بیماریوں کا روحانی علاج ۱۱ رجب ۱۴۰۶ھ حسب معمول بعد العصر مسجد شیخ الحدیث میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی۔

ٹانک سے علماء اور طلبہ کی ایک جماعت حاضر خدمت تھی۔ حضرت مدظلہ مصروف گفتگو تھے انہی میں سے ایک صاحب نے بیماری اور مختلف امراض کا ذکر کیا۔ تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔ کہ پانی پیتے وقت، کھانا کھاتے وقت، سورہ فاتحہ پڑھ کر دَم کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ شفا بخشے گا۔ اس کا نام حدیث میں شافیہ آیا ہے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے امراض کے لئے یہی نسخہ ارشاد فرمایا ہے۔ پڑھتے وقت طاق عدد کا خیال رکھیں۔ ایک بار، تین بار، پانچ یا سات بار۔ ان اللہ وتر یحب الوتر، اللہ کی ذات وتر ہے۔ اور وتر سے محبت رکھتی ہے۔

جہادِ افغانستان میدان جنگ کی ایک جھلک اسی مجلس میں دارالعلوم کے ایک قدیم فاضل مولانا محبوب اللہ حقانی اور جہاد افغانستان کے ایک کمانڈر اپنے مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر خدمت ہوتے اور عرض کیا کہ حضرت! ولایت پکتیا کے علاقے متی سنگر میں روسی کارمل فوجیوں نے سخت حملہ کر دیا ہے جو ہزاروں ٹینک اور فوجی ساز و سامان سے مسلح ہے۔ افغان مجاہدین مزاحمت کر رہے ہیں۔ ۴۵ جگہ جنگ شروع ہے۔ مجاہدین گروپوں اور ٹکڑیوں کی صورت میں مختلف محاذات پر لڑ رہے ہیں۔

موصوف نے محاذِ جنگ کی ایک کیسٹ ٹیپ ریکارڈ میں لگا دی اور عرض کیا کہ حضرت! یہ دشمن کے حملہ کی کیفیت ہے۔

بمباری کی وحشت ناک آوازیں، جہازوں کی پروازیں اور مجاہدین کے ولولہ انگیز نعرہ ہائے تکبیر سے ایک عجیب کیفیت اہل مجلس پر طاری ہو گئی۔ خود حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ بے حد متاثر اور عجز و انکسار کے ساتھ ساتھ بارگاہِ الوہیت میں ہمہ تن دعا ہو گئے۔ کیسٹ میں فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مولانا محبوب اللہ حقانی حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو بتا رہے تھے کہ:۔

یہ آواز میزائلوں کی ہے ! جو افغان مجاہدین روسی دشمن کے مقابلہ میں چلا رہے ہیں۔
یہ جی ! ابھی جنگ کی ابتداء ہے۔ یہ طیاروں کی آوازیں ہیں۔
یہ آواز روسی فوجوں کے مقدمۃ الجیش کی ہے جو ان کے لئے راہ صاف کر رہا ہے۔
یہ آوازیں مجاہدین کی ہیں جو ایک دوسرے کی ڈھارس بندھا رہے ہیں۔
اور یہ آواز اس فاضل حقانیہ کمانڈر کی ہے جو گذشتہ دنوں ہمارے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اب مصروف جہاد ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا۔ مجاہدین افغانستان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد ہے۔ ضلع دیر سے آئے ہوئے ایک فاضل دار العلوم نے عرض کیا۔

حضرت ! واقعہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ بدر و حنین کی طرح افغان مجاہدین کی مدد فرما رہے ہیں آپ کی دعاؤں کے صدقہ میں باری تعالیٰ نے مجھے تین مرتبہ جہاد میں شرکت کی توفیق کی ارزانی فرمائی ہے۔ روسی دشمن اپنے ہیلی کاپٹروں کو پتھروں پر بٹھا بٹھا کر مجاہدین کے ٹھکانوں کو تلاش کرتے ہیں اور ہیلی کاپٹر پرندوں کی طرح پھرتے ہیں اور تہہ خانوں پر حملے کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ مجاہدین کی مدد اور حفاظت فرماتے ہیں۔

خود مجھ پر کئی مرتبہ فائرنگ ہوئی اور ایک مرتبہ تین گولیاں یکے بعد دیگرے لگیں۔ میری ٹوپی اڑ گئی۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔

مولانا عبدالحلیم دیروی نے جب ایک حدیث " الجہاد سنام الاسلام " سنائی تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا۔ ہاں سنام، قوت اور طاقت اور کسی چیز کی حقیقی شوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اہل افغانستان نے جب تک جہاد شروع نہیں کیا تھا ان کا تذکرہ اور شجاعت کا چرچا نہیں تھا اب جب کہ نہتے ہاتھوں جہاد کے میدان میں کود آئے ہیں تو پورے عالم میں ان کی عظمت و شجاعت کی دھاک بیٹھ گئی ہے۔ آج سپر طاقتیں اور روس جیسی ظالم حکومت بھی افغان مجاہدین کے نام سے کانپتی ہے۔ یہ سب جہاد کی برکتیں ہیں۔

تبلیغ دین اور بیان مسائل میں "تسہیل" پیش نظر رہنی چاہیے

۱۶ رجب ۱۴۰۶ھ اسی مجلس میں تبلیغ دین اور بیان مسائل میں تیسیر اور تسہیل کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا کہ :-

الحمد للہ، حنفیت، تسہیل اور تیسیر کا ایک جامع نمونہ ہے۔ آپ چاروں دبستانِ فقہ کا مطالعہ کر لیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے اقوال بہ نسبت دیگر ائمہ کے سہل اور نرم ہیں۔ آپ حتی الامکان کسی کو کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں مثلاً اگر ایک شخص نے قصداً قبلہ سے منہ پھیر کر نماز پڑھی تو امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس عمل سے وہ شخص

کافر ہو جاتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ اسے کافر نہیں قرار دیتے البتہ اس پہ کفر کا اندیشہ کرتے ہیں۔ یخشی علیہ کفر یعنی کفر کا احتمال ہے۔ دیکھئے کس قدر احتیاط ہے۔ خدا کرے کہ آپ کے پیرو کار بھی ان اصولوں اور ابو حنیفہ کے محتاط طرز فکر کو اپنائیں۔

بہترین دعا "طلب علم" ہے — ۲۰ رجب ۱۴۰۶ھ۔ حسب معمول بعد العصر مجلس شیخ الحدیث میں حاضر ہوا کل سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ علیل تھے۔ دارالعلوم بھی اور عصر کو معمول کے مطابق مسجد بھی تشریف نہ لا سکے چہرہ مبارک پر کل کے بخار کے آثار ظاہر تھے آواز میں ضعف اور جسم میں نقاہت تھی۔ طلبہ و اساتذہ اور مہمانوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے تھے۔ دعا کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ دعا، ایک عبادت ہے۔ دعا خدا کا حکم ہے۔ لوگ قسم قسم کی دعائیں مانگتے ہیں مگر دعا میں اصل اور مقصودی چیز، طلب علم ہے۔ دعا کے بڑے ثمرات ہیں۔ ہمارے اکابر نے بھی دعا کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلائے۔ ان کے اقوال و احوال اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

توکل و استغنا اور آزادانہ خدمت دین — جنوبی وزیرستان سے دارالعلوم کے ایک قدیم فاضل حاضر خدمت تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے دریافت کرنے پر انہوں نے عرض کیا۔

حضرت بحمداللہ درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت دین کی تھوڑی بہت خدمت کا موقع مل جاتا ہے یہ سب آپ کی برکات اور دعاؤں کے اثرات ہیں۔ کئی بار احباب نے اور وہاں کے مہربانوں نے کسی سرکاری سکول میں ماسٹر وغیرہ کی پوسٹ پر کام کرنے کی پیشکش کی ہے کہ مستقل نوکری ہو جائے گی وغیرہ۔ مگر میرا مزاج درس و تدریس اور آزادانہ خدمت دین کا ہے۔ کہ آپ کو ایسے ہی پایا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔ ماشاء اللہ بہت اچھی رائے ہے اور نیک اور مبارک فیصلہ ہے خدا تعالیٰ استقامت بخشے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور بہت بڑی کامیابی ہے کہ صرف خدا کے بھروسے اور اسی کی توکل پر زندگی گزارتے ہو۔

آج کل یہ ماسٹریاں وغیرہ آگئی ہیں ورنہ اس سے قبل ہمارے اسلاف اور اکابر اور علماء نے مساجد اور مدارس میں چٹائیوں پہ بیٹھ کر بغیر کسی طمع و لالچ کے خدمت دین و اشاعت اسلام کا کام کیا ہے۔ اور اللہ نے انہی کے ذریعہ دین کو محفوظ فرمایا ہے۔ اور ہم تک جوں کا توں پہنچا ہے ——— ابھی یہ بات جاری تھی کہ ایک نوجوان حاضر خدمت ہوئے سلام اور مصافحہ کے بعد عرض کیا میرا نام سید محبوب ہے۔ پائلٹ اور سکواڈرن لیڈر ہوں میرے خسر ایک ہفتہ قبل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ میری گاڑی اور بچے وغیرہ مسجد سے متصل ہیں۔ ہم

صرف اور صرف دعا کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور ابھی واپسی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا :۔

چونکہ آپ کی گاڑی وسطِ بازار میں ہے جس سے عام ٹریفک کو رکاوٹ ہوگی اور آپ نے ابھی واپس بھی جانا ہے لہٰذا آپ کے لئے تمام حاضرین دعا کریں گے کہ باری تعالیٰ آپ کو علمی و دینی اور قومی و ملّی ترقیات عطا فرماوے آپ جہاز کے پائلٹ اور قوم کے محافظ ہیں ۔ اور ملت کی دفاع کا کام کرتے ہیں ۔ میری دعا ہے کہ باری تعالیٰ آپ کی جوانی میں برکتیں نازل فرماوے۔

پھر انہیں ایک تعویذ اور چند وظائف کی تلقین فرمائی اور [illegible] فرمایا

والدین کے ساتھ حسن سلوک

۱۶ رجب ۱۴۰۶ھ حسب معمول بعد العصر کی مجلس میں حاضر تھا ۔ ضلع دیر سے ایک عقیدت مند حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت! ۸۱ء میں دفتر اہتمام میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ نے مجھے کچھ وظائف کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی ۔ اس کے دو مرتبہ حاضر خدمت ہوا ہوں مگر بوجہ آپ کی علالت کے زیارت و ملاقات نہ ہو سکی۔

پرسوں دیر میں ایک ساتھی نے آپ کی علالت کی خبر دی تو مجھ سے نہ رہا گیا اور آپ کی زیارت و ملاقات کے قصد سے حاضر خدمت ہوا ہوں شکر ہے کہ آپ کو عافیت سے دیکھ کر اطمینانِ قلب حاصل ہوا۔

اس مہمان نے عرض کیا کہ حضرت بعض ناجائز امور پر والد صاحب مجبور کرتے ہیں اور بعض اوقات مجھے ایسا کام کرنے کو کہتے ہیں جو میری استطاعت سے باہر ہوتا ہے جب وہ نہیں کر پاتا تو والد صاحب بے حد ناراض ہوتے ہیں پریشانی میں مبتلا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔

دیکھئے والدین کے بڑے حقوق ہیں اُن کو اف تک کہنا ممنوع ہے اور معاشرت میں اور اجتماعی زندگی میں "صاحبہما فی الدنیا معروفا" کا حکم آیا ہے ۔ والدین کے جو احسانات اور حقوق ہیں ان کا پورا کرنا مشکل ہے والدین کی جائز اور ممکن الاستطاعت باتیں حتی الوسع مانو، اطاعت کرو۔ البتہ شرک، کفر، بدعت اور بے دینی اور معصیت کی باتوں میں ان کی اطاعت ممنوع ہے اگر وہ کسی ناجائز بات کا حکم دیتے ہیں جس سے اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو ایسے امور میں انکی فرمانبرداری نہیں کرنی چاہیئے لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ مخلوق کی ایسی اطاعت ممنوع ہے جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو ہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ والدین بے دین یا فاسق و فاجر ہوں تب بھی اولاد کا رویہ ان کے ساتھ درشت اور تلخ نہیں ہونا چاہیئے ۔ والدین کی اطاعت اور ان کے ارشاد پر جی اور لبیک کہنے کی شریعت میں بڑی اہمیت ہے باقی رہے ایسے امور جو استطاعت سے خارج ہیں اور والدین ان کے کرنے کا حکم دیتے ہیں تو ایسے امور کو نہ کر سکنے میں مواخذہ نہیں ہے لایکلف اللہ نفسًا الا وسعہا۔ جب ایک چیز آپ کی طاقت سے باہر ہے تو اس پر آپ ہرگز مکلف نہیں ۔

مولانا محمد شہاب الدین ندوی بنگلور، انڈیا

طلاق ثلثہ پر ایک تحقیقی نظر

احادیث اور اجماع صحابہؓ کی روشنی میں

حضرت عمرؓ پر ایک غلط الزام

آج کل ایک بار پھر تین طلاقوں کی بحث چل پڑی ہے۔ ایک طرف تو سیاسی اعتبار سے مسلمانوں پر دباؤ
ڈالا جا رہا ہے اور بعض فرقہ پرست ہندو تنظیمیں حکومت سے یہ مطالبہ کر رہی ہیں کہ وہ بیک وقت دی جانے
والی تین طلاقوں کو ممنوع قرار دے۔ تو دوسری طرف بعض نام نہاد مسلمان جو اپنے آپ کو روشن خیال
کہلاتے ہیں وہ بھی ان فسطائی عناصر کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ پوری اسلامی شریعت کو
بالائے طاق رکھ دیا جائے۔ ایسے نازک موقعہ پر تمام اسلام پسندوں کا فرض تھا کہ اپنے آپس کے اختلافات بھلا
کر ایک جسد واحد کی طرح تحفظ شریعت کی راہ میں کام کرتے۔ مگر بعض مسلمانوں کو خواہ مخواہ اختلاف کرنے کی
گویا ایک عادت سی بن گئی ہے۔

چنانچہ راقم الحروف کی کتاب "سپریم کورٹ کا فیصلہ" شائع ہوئی (جس میں ضمناً تین طلاق والے مسئلے
پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈالی گئی ہے) تو مدراس کے ایک "غیر مقلد" صاحب نے جھٹ سے ایک
رسالہ تحریر کر کے اس مسئلے کے اختلافی مسائل چھیڑ دئے۔ اور راقم سطور سے جواب طلب کیا۔ عدیم الفرصتی
کے باعث میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ (اور اس لئے بھی کہ یہ مسئلہ بہت تفصیل طلب تھا) تو موصوف
نے کچھ دنوں کے بعد پتہ نہیں کیا سمجھ کر پھر ایک مراسلہ ذرا سخت انداز میں تحریر کرتے ہوئے "مقلدین" پر
اعتراضات شروع کر دئے۔ تو مجھ سے رہا نہ گیا لہذا چار و نا چار یہ مضمون سپرد قلم کرنا پڑا۔ یہ محض ایک تمہید ہے
راقم نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس موضوع پر ایک پوری کتاب ہی لکھی جائے۔ تاکہ اس مسئلے کے تمام پہلو
واضح ہو جائیں۔ یہ بحث موجودہ سیاسی حالات میں بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ آج ملکی
سطح پر پورے زور شور سے اٹھایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت میں یہی ایک ایسا مسئلہ ہے جو آج
سارے ہندوستان والوں کو سر فہرست نظر آرہا ہے۔ اور جسے بدلنے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور
مار رہے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے اسے حضرت عمرؓ کی ایجاد بنا کر معاملے کو اور زیادہ سنگین بنا دیا ہے

حالاں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا ضابطہ تو دورِ رسالت ہی سے جاری رہا ہے صرف ایک شاذ حدیث کی وجہ سے معاملہ مشتبہ نظر آتا ہے۔ مگر بیسیوں حدیثوں کے مقابلے میں ایک حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ بہرحال اس مضمون میں پہلے وہ حدیثیں بیان کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد اس اختلافی حدیث پر کلام کرتے ہوئے حضرت عمرؓ پر کئے جانے غلط اور غیر واقعی الزام کا جواب دیا جائے گا۔

تین طلاق کا حکم | بخاری، موطا امام مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ طحاوی۔ ابن حبان حاکم۔ دارقطنی۔ بیہقی۔ مصنف عبدالرزاق۔ سنن سعید بن منصور۔ مسند شافعی۔ طبرانی اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ حدیثوں کی کتابوں میں بیسیوں حدیثیں بیک وقت یا ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں نیز "طلاق البتہ" (طلاق قطعی) کے بارے میں مروی ہے۔ کہ وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ ایسا کرنا گناہ ہے یا نہیں۔ مگر جہاں تک ان کے وقوع یا ثبوت کا تعلق ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا چنانچہ اس موضوع پر چند حدیثیں نمبروار بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث۔ سنن نسائی میں محمود بن لبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو آپ غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں؟

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کے دور میں تین طلاقوں کو ایک وار قرار دینے کا رواج ہوتا (جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے دور میں یہی رواج تھا) تو پھر آپ یوں فرماتے کہ چلو کوئی مضائقہ نہیں۔ تین سے مراد ایک ہی ہوگی۔ مگر یہاں تو آپ غضب ناک ہو کر اپنی شدید ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اگر یہ تینوں طلاقیں واقع نہ ہو جاتیں تو پھر آپ ناراض کیوں ہوئے؟ ظاہر ہے کہ یہاں پر ناراضگی کا سبب تین طلاقوں کے وقوع کو غلط قرار دینا نہیں بلکہ سنت طریقے کی خلاف ورزی دکھانا ہے۔

دوسری حدیث۔ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کی ایک دلیل "حدیث رکانہ" بھی ہے۔ مگر اس میں کافی کلام کیا گیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق نہیں بلکہ "طلاق البتہ" (قطعی) دی تھی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قسم دے کر پوچھا کہ طلاق البتہ (یا طلاق بتہ) سے ان کی نیت کیا تھی؟ آیا تین یا ایک کی؟ جب انہوں نے جواباً کہا کہ اس سے میری

نیت صرف ایک کی تھی۔ تو آپ نے اس کو ایک قرار دیا۔ ورنہ اگر وہ کہتے کہ تین کی نیت تھی تو آپ اس کو تین ہی قرار دیتے۔ دیکھئے یہ حدیث ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور حاکم میں کس طرح مذکور ہے۔

رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ (قطعی طلاق) دی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ایک کا۔ آپ نے قسم دے کر پوچھا کہا اس سے صرف ایک ہی کی نیت تھی؟ تو انہوں نے قسم دے کر کہا کہ ہاں اس سے صرف ایک ہی کی نیت کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تو یہ بات تمہاری نیت کے مطابق ہے۔ پھر آپ نے ان کی بیوی کو ان پر لوٹا دیا۔ (تفسیر در منثور - ۱/ ۲۷۹)

اب دیکھئے۔ اگر یہاں پر تین طلاقیں بیک وقت واقع نہ ہوسکتیں تو پھر اس طرح تفصیل دریافت کرنے اور قسم کھلانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس سے معلوم ہوا کہ طلاق قطعی میں اگر تین کی نیت کی جائے تو تینوں بیک وقت واقع ہوجاتی ہیں۔

نوٹ۔ "طلاق البتہ" یا "طلاق بتہ" کا مفہوم ہے قطع کرنے یا کاٹنے والی طلاق۔ اہل عرب تاکید کے طور پر اس قسم کی طلاق دیا کرتے تھے تاکہ بات پکی ہوجائے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ طلاق بتہ میں صحابہ کرام کا اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک اس سے ایک طلاق پڑتی ہے۔ اور حضرت علی کے نزدیک تین۔ امام مالک اس مسئلے میں حضرت علیؓ کے پیرو ہیں۔ احناف کے نزدیک اس میں نیت کو دیکھا جائے گا اگر ایک کی نیت ہے تو ایک طلاق (بائن) ہوگی۔ اور اگر تین کی نیت ہے تو تین ہوں گی جب کہ امام شافعی کے نزدیک یہ طلاق بائن نہیں رجعی ہوگی (دیکھئے ترمذی: ۲/۳۲۲ مطبوعہ بیروت)

تیسری حدیث۔ دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں (ایک) طلاق دی تھی۔ پھر وہ بعد دو حیضوں میں مزید دو طلاقیں دینے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اللہ نے طلاق اس طرح دینے کا حکم نہیں دیا ہے۔ تم نے سنت طریقے میں غلطی کی ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم طہر (عورت کی پاکی کی حالت) کا انتظار کرو۔ پھر ہر طہر میں (ایک ایک) طلاق دو۔

چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق میں نے رجوع کر لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب وہ پاک ہوجائے تو اس وقت طلاق دو۔ یا اسے روکے رکھو۔ تب میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ذرا بتائیے تو سہی اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا تو کیا میرے لئے اس کو لوٹا لینا حلال ہوتا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ وہ اس صورت میں بائن (جدا) ہوجاتی۔ اور گناہ ہوتا۔ (تفسیر مظہری: ۱/ ۳۰۱)

چوتھی حدیث - امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "باب من اجاز الطلاق الثلاث" یعنی "تین طلاقوں کے وقوع کو جنہوں نے صحیح قرار دیا ہے اس کا بیان" اور امام بخاری نے یہ بات قرآنی آیت، "الطلاق مرتان" (طلاق دوبار ہے) کے تحت لایا ہے۔ اور اس کی شرح میں مشہور شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لغت اور شرع کی رو سے ان کے بیک وقت یا متفرق طور پر دے جانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (فتح الباری: ۹/۳۶۵ مطبوعہ ریاض)

غرض امام بخاری نے اس باب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں جن میں ایک عُویمر عجلانی کی لعان والی ہے اس حدیث کے مطابق ایک صحابی عُویمر عجلانی نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو قرآنی فیصلے (جیساکہ سورۂ نور میں ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا حکم دیا۔ جب میاں بیوی اس سے فارغ ہوئے تو عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کرنے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی (بخاری کتاب الطلاق)

اس حدیث سے صاف طور پر دورِ رسالت میں بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر کو اس کے اس فعل پر ٹوکا نہیں بلکہ خاموشی اختیار کر لی۔ لہذا معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں ہو سکتی ہیں۔ اور امام بخاری نے یہی ثابت کرنے کے لئے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے۔

پانچویں حدیث - بخاری کی دوسری حدیث طلاق البتہ (یا بتّہ) والی ہے جس کے مطابق تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، جب کہ نیت تین طلاقوں کی ہو (حنفی مسلک کے مطابق) حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ رفاعہ قُرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رفاعہ نے مجھے طلاق بتّہ دی تھی تو میں نے بعد میں عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا۔ مگر اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے (یعنی وہ نامرد ہیں)

آپؐ نے فرمایا کہ شاید تم پھر سے رفاعہ کے پاس لوٹنا چاہتی ہو۔ مگر یہ بات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ عبدالرحمٰن تیری مٹھاس اور تو اس کی مٹھاس چکھ نہ لے۔" (بخاری)

چھٹی حدیث - ابن ماجہ میں ایک باب صراحتہً اس مضمون کا ملتا ہے۔ "باب من طلق ثلاثاً فی مجلس واحد" یعنی جس نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں اس کا بیان" اس بیان کے تحت فاطمہ بنت قیس کی حدیث مذکور ہے۔ کہ ان کے شوہر نے یمن کو جاتے وقت انہیں تین طلاق دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نافذ کر دیا۔ (ابن ماجہ ابواب الطلاق)

یہ حدیث کسی بھی قسم کی تشریح مزید سے بے نیاز دکھائی دیتی ہے۔

ساتویں حدیث ۔ مؤطا امام مالک (جو بہت سے اہل علم کے نزدیک بخاری اور مسلم کے درجے کی کتاب ہے۔) میں مذکور ہے۔ کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس رضؓ سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں تو آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

آپ نے کہا کہ تیری تین طلاقیں تو تیری عورت پر واقع ہو گئیں۔ اور بقیہ ۹۷ کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیات کو مذاق بنایا ہے (مؤطا: ۲/۹، مطبوعہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ بیک وقت چاہے جتنی بھی طلاقیں دے دی جائیں اعتبار صرف تین ہی کا رہتا ہے اور باقی لغو قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی مرد صرف تین ہی طلاق دے سکتا ہے۔ اس سے زیادہ دینا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

آٹھویں حدیث ۔ مؤطا کی ایک اور حدیث کے مطابق ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دے دی ہیں (تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟) آپ نے پوچھا کہ (اس مسئلے میں اہل علم) لوگوں نے تجھ سے کیا کہا ہے؟ وہ بولا۔ کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہاری بیوی تم سے بائن (جدا) ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا ہے (مؤطا: ۲/۷۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دور صحابہ میں بیک وقت ایک سے زیادہ طلاق دینے کی صورت میں وہ تمام لوگوں کے نزدیک واقع ہو جاتی تھیں۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔

نویں حدیث ۔ اسی مؤطا میں امام مالک سے مروی ہے کہ مروان طلاق بتہ میں تین طلاق کا حکم کرتا تھا۔ امام مالک نے فرمایا کہ یہ میری پسندیدہ روایت ہے (مؤطا: ۲/۸۰)

مروان مدینہ منورہ کا حاکم تھا جو علماء کے سامنے اس قسم کے شرعی فیصلے کرتا تھا۔ اس وجہ سے امام مالک نے ان سے استدلال کیا ہے۔ اور اوپر گذر چکا ہے کہ طلاق بتہ کے مسئلے میں امام مالک حضرت علی رضؓ کے مسلک کے پیرو ہیں۔ یہی مسلک مدینہ منورہ میں رائج تھا۔ اور اسی کے مطابق امام مالک اور ان کے پیرو عمل کرتے تھے۔

دسویں حدیث ۔ طحاوی میں مروی ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضؓ سے کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری تجھ سے جدا ہو گئی۔ کیونکہ تو اللہ سے نہیں ڈرا۔ تاکہ وہ تیرے لئے راستہ بناتا (ایک طلاق دینے کی صورت میں راستہ باقی رہتا ہے۔ اور تین طلاق دینے کی صورت میں وہ بند ہو جاتا ہے) جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے

راستہ نکالتا ہے (جیسا کہ سورۂ طلاق میں مذکور ہے) (شرح معانی الآثار از طحاوی ۲/۳۷)

گیارھویں حدیث۔ ابو داؤد میں مجاہد سے مروی ہے کہ ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں (اس پر آپ کیا فرماتے ہیں؟) ابن عباس کچھ دیر کے لئے خاموش رہے تو میں نے گمان کیا کہ آپ مطلقہ کو اس پر لوٹا دیں گے (مگر) آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص حماقت کر بیٹھتا ہے اور پھر وہ کہنے (چیخنے) لگتا ہے کہ اے ابن عباس اے ابن عباس (مجھے بچاؤ۔ تو اچھی طرح سن لو کہ) اللہ تعالیٰ نے (سورۂ طلاق میں) فرمایا ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لئے راستہ نکالے گا (بشرطیکہ صرف ایک طلاق دی جائے) مگر تم اللہ سے نہیں ڈرے (بلکہ تین طلاقیں دے دیں) تو میں تمہارے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہو گئی۔ (ابو داؤد۔ کتاب الطلاق)

یہ حدیثیں اپنے معانی و مطالب میں نہ صرف بہت واضح ہیں بلکہ وہ سورۂ طلاق کی بعض آیات کی تفسیر بھی کر رہی ہیں کہ سنت طریقے کے مطابق صرف ایک طلاق دینے کی صورت میں آئندہ ملاپ کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور اس صورت میں شرمندگی اور پریشانی سے نجات مل سکتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس اگر کوئی غیر سنت طریقے کو اپناتے ہوئے اور اللہ کی نافرمانی اختیار کرتے ہوئے تین طلاق بیک وقت دے بیٹھتا ہے تو وہ گناہ ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہیں۔ اب جو لوگ اس قسم کی صاف و صریح حدیثوں کے مقابلے میں محض عقلی احتمالات پیدا کر کے ان حدیثوں کو مشکوک کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل حدیثوں کے مقابلے میں اپنے قیاس و عقل کو مقدم کرنا چاہتے ہیں۔ حالاں کہ اصول یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کے "نصوص" کے مقابلے میں قیاس چل نہیں سکتا۔ لہٰذا اب غور کیا جائے کہ حدیثوں پر عمل کون کر رہا ہے اور عقلی احتمالات پیدا کر کے ان کی حجت میں شک و شبہ کون کر رہا ہے؟ اسی قسم کی چند مزید حدیثیں بھی ملاحظہ فرمائیے جو دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہیں۔

بارھویں حدیث۔ مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ننانوے (۹۹) طلاقیں دے دی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تین سے تو وہ جدا ہو گئی۔ (کیونکہ تم کو صرف اتنا ہی اختیار ہے) اور بقیہ نافرمانی میں شمار ہوں گی (تفسیر مظہری ۱/۳۰۲)

تیرھویں حدیث۔ عبدالرزاق اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے ڈالیں۔ تو اس شخص کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ اس نے کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس پر حضرت نے کوڑا بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے لئے تو صرف تین ہی کافی تھیں (تفسیر

درمنثور، از علامہ سیوطی: ۱/۲۷۸)

چودھویں حدیث۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا ہے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاق دیدے تو اس پر تینوں پڑ گئیں۔ اور اب وہ دوسرے مرد سے نکاح کیے بغیر پہلے کے لیے حلال نہیں رہی اور آپ کے پاس جب ایسے کسی شخص کو لایا جاتا تو آپ اس کی خبر لیتے تھے۔ (درمنثور ۱/۲۷۸)

پندرھویں حدیث۔ بیہقی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جس نے اپنی منکوحہ بیوی کو مباشرت کرنے سے پہلے ہی تین طلاقیں دے دیں تو اب دوسرا مرد کرنے تک وہ اس کے لیے حلال نہیں رہی (ایضاً)

سولھویں حدیث۔ بیہقی میں حضرت علیؓ سے ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تین نے تو اس کو تجھ پر حرام کر دیا اور بقیہ طلاقوں کو تو اپنی عورتوں پر تقسیم کر دے (ایضاً)

سترھویں حدیث۔ مصنف عبدالرزاق اور بیہقی میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اس نے کل رات اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا بیک وقت؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے بائن (جدا) ہو جائے؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بات ایسے ہی ہو گی جیسے تم نے کہا ہے۔

یعنی اب وہ بائن ہو چکی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ نے طلاق کا معاملہ کھول کر بیان کر دیا ہے (یعنی سورۂ طلاق میں)، تو اب جس نے اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دی تو یہ صورت اللہ نے واضح کر دی ہے مگر (ہاں دیکھو) جو اس معاملے میں گڑبڑ کرے گا تو ہم بھی اس کی بلا کو اس کے سر باندھ دیں گے۔ اس لیے معاملات میں ایسا خلط ملط مت کرو جس کی وجہ سے ہم کسی مشکل میں پڑ جائیں۔ (درمنثور ۱/۲۷۸)

اٹھارہویں حدیث۔ بیہقی میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مباشرت سے پہلے تین طلاق والی کا حکم بھی وہی ہے جس کے ساتھ مباشرت کی جا چکی ہو۔ (ایضاً)

اس حدیث نے ابہام کو پوری طرح دور کر دیا۔ کہ بیک لفظ تین طلاق دینے سے جس طرح "مدخول بہا" (یعنی وہ عورت جس سے مباشرت کی جا چکی ہو) پر "طلاق مُغلّظہ" (سخت طلاق) پڑ جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح "غیر مدخول بہا" (یعنی وہ بیوی جس کے ساتھ مباشرت نہ کی گئی ہو) پر بھی طلاق مغلظہ پڑ جاتی ہے۔ لیکن اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ لفظوں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ مثلاً یوں کہا جائے۔ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے۔ تو اس صورت میں صرف ایک ہی پڑے گی۔ کیونکہ دوسری بار طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے

پہلے ہی وہ بائن ہو جاتی ہے یعنی وہ پہلی ہی طلاق سے اس کے نکاح سے آزاد ہو جاتی ہے۔ لہذا اس صورت میں بقیہ دو طلاقیں لغو قرار پائیں گی۔ (ملاحظہ ہو ہدایہ اولین صہ ۳۵۱)

انیسویں حدیث۔ امام مالک، امام شافعی، ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے مباشرت کرنے سے پہلے ہی تین طلاقیں دیدیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسی سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ فتویٰ پوچھنے آیا۔ (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ اس نے حضرت ابوہریرہ رض اور حضرت ابن عباس رض سے اس بارے میں پوچھا۔ تو دونوں نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک تم اس عورت سے اس وقت تک نکاح (دوبارہ) نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ دوسرا شوہر نہ کرلے۔ اس نے عرض کیا کہ میری تو اس کے صرف ایک ہی طلاق تھی (کیونکہ وہ غیر مدخول بہا تھی) تو اس پر ابن عباس نے فرمایا کہ تم نے اپنے ہاتھ سے وہ چیز بھی گنوا دی ہے جو تمہارے لئے زائد تھی (درمنثور ۱/۲۷۹)

دیکھئے اس حدیث میں اس مسئلے کی وضاحت کتنی صفائی کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ کہ جس عورت کو ابھی ہاتھ نہ لگایا گیا ہو وہ اگرچہ ایک ہی طلاق سے بائن ہو سکتی تھی مگر اس کو تین طلاق دینے کا مطلب خواہ مخواہ اپنے اختیار کو ضائع کر لینا ٹھہرا۔ اور ایک مرتبہ جب یہ اختیار مرد کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر وہ دوبارہ اسے واپس نہیں مل سکتا۔ لہذا اس کے استعمال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

بیسویں حدیث۔ مالک، شافعی، ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی نے اپنی بیوی کو مباشرت کرنے سے پہلے ہی تین طلاقیں دے دیں تو مسئلہ ابن عباس رض اور ابوہریرہ رض کے پاس آیا۔ ابن عباس نے ابوہریرہ سے کہا کہ آپ فتویٰ دیجئے کیونکہ آپ کے پاس ایک مشکل مسئلہ آیا ہے۔ ابوہریرہ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں ایک طلاق تو عورت کو بائن بنا دیتی ہے اور تین طلاقیں اسے حرام کر دیتی ہیں جب تک کہ وہ دوسر شوہر سے نکاح نہ کرے اور ابن عباس نے بھی اسی طرح فرمایا (درمنثور ۱/۲۷۸)

ملاحظہ فرمائیے یہ حدیث اس مسئلے میں دو اور دو چار کی طرح کس قدر واضح ہے کہ جو عورت (غیر مدخول بہا) صرف ایک طلاق کا محل تھی۔ اور ایک ہی سے بائن ہو سکتی تھی۔ وہ تین طلاقوں سے بالکل اسی طرح حرام ہو جاتی ہے جس طرح مدخول بہا حرام ہو جاتی ہے جب کہ اس کو بیک لفظ یا بیک مجلس تین طلاقیں دی جائیں ورنہ الگ الگ لفظوں میں یا الگ الگ مجلسوں میں طلاق دینے سے ان تینوں کے وقوع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اکیسویں حدیث۔ مالک، شافعی اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن عاص رض سے مسئلہ پوچھنے آیا۔ کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی تین طلاق دے دی تو میں نے اس سے کہا کہ دوشیزہ کی طلاق ایک ہے۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ تم کاٹنے والے ہو۔ ایک

طلاق اس کو بائن (جدا) کر دیتی ہے اور تین اسے حرام کر دیتی ہیں، جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرلے۔ (در منثور: ۱/۲۷۸)

بائیسویں حدیث۔ طبرانی اور بیہقی میں روایت ہے کہ عائشہ خثعمیہ امام حسنؓ بن علیؓ کی منکوحہ تھیں جب حضرت علی شہید کر دیئے گئے تو عائشہ نے حضرت حسن کو خلافت کی مبارک باد دی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی تو شہید ہو گئے اور تم اس مصیبت پر خوش ہو رہی ہو۔ لہذا تم کو تین طلاق ہے تم چلی جاؤ۔ اس پر بیوی نے کپڑے سمیٹ لئے اور عدت میں بیٹھ گئیں۔ یہاں تک کہ ان کی عدت گذر گئی۔ پھر حضرت حسن نے ان کے پاس مہر کا بقیہ حصہ اور دس ہزار بطور تحفہ بھیجے۔ اس پر عائشہ نے کہا کہ ایک جدا ہونے والے محبوب کی جانب سے تو یہ ایک حقیر سامان ہے یہ بات جب حضرت حسن تک پہنچی تو آپ رو دیئے اور کہا کہ اگر میں اپنے نانا سے یا اپنے والد سے (جو میرے نانا سے روایت کرتے ہیں) نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے (خواہ طہروں میں دے رہا ہوں یا مبہم طور پر) تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی۔ جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرلے۔ تو میں ضرور اس سے رجوع کر لیتا۔ (در منثور: ۱/۲۷۹)

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالے کے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ امام حسن نے اس موقع پر اپنے والد حضرت علیؓ سے سنی ہوئی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

تئیسویں حدیث۔ امام طحاوی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے دوشیزہ کی تین طلاقوں کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو ان میں سے ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ وہ تم پر حرام ہو چکی ہے (شرح معانی الآثار ۲/۳۴)

چوبیسویں حدیث۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس عورت نے دوسرے سے نکاح کر لیا۔ مگر اس مباشرت کرنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے دی۔ تو کیا وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو سکتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ (یہ شخص) میاں اور بیوی ایک دوسرے سے لذت جماع حاصل نہ کریں (ابو داؤد اور نسائی، کتاب الطلاق)

صحابہ کرام کا اجماع اس قسم کی اور بھی حدیثیں موجود ہیں۔ ان تمام حدیثوں سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ دور رسالت اور دور صحابہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف سرے سے موجود نہیں تھا کہ بیک وقت یا ایک ہی مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ اور اس پر صحابہ کرام کے دور میں اجماع پایا جاتا ہے۔

چنانچہ سعودی عرب کے مشہور عالم محمد علی صابونی تحریر کرتے ہیں کہ اختلاف کرنے والوں میں صرف ایک تابعی اور بعض اہل ظاہر ہیں جن کی حیثیت صحابہ کرام کے اجماع کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے (تفسیر آیات الاحکام ۱/۳۵۴)

واضح رہے کہ صحابہ کرام میں فتویٰ دینے والے مشہور صحابہ یہی تھے جن کے چند فتاویٰ اوپر نقل کردہ حدیثوں میں مذکور ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ تقریباً تمام محدثین اور محققین کا بھی یہی مسلک و مذہب ہے کہ بیک لفظ یا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے سے وہ واقع ہو جاتی ہیں۔

اختلاف کرنے والے صدیوں تک جمہور علماء و فقہا کا یہی مذہب رہا ہے۔ مگر اس متفقہ مسلک سے اختلاف ساتویں صدی میں جا کر علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیمؒ نے کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات اگرچہ بہت بڑے امام اور فقیہہ تھے اور ہم ان کی بہت زیادہ تکریم بھی کرتے ہیں (راقم سطور خاص کر فکری و کلامی مسائل میں ان دونوں حضرات سے بہت زیادہ متاثر ہے) مگر کوئی بھی بشر غلطی سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ علامہ ابن قیم نے اس مسئلے میں کافی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ مگر باوجود اپنی جلالت علمی کے (بقول علامہ حافظ ابن حجرؒ) اس سلسلے میں (بنیادی) غلطی یہ کی ہے کہ نصوص کے مقابلے میں فاسد الاعتبار ہے۔ نیز ابن حجر نے مزید تحریر کیا ہے کہ ابن قیمؒ کے سامنے بعض حدیثیں موجود نہیں تھیں۔
(فتح الباری: ۹/۳۵۵۔ مطبوعہ ریاض)

بہرحال ان دونوں حضرات نے اس خاص مسئلے میں جو تاویلات کی ہیں ان کو بعد والے علماء نے پوری طرح رد کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں حضرات اور بعض خال خال اصحاب ظاہر مثلاً علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی وغیرہ کو چھوڑ کر چودہ سو سال سے یہ پوری امت مسلمہ کا متفقہ مسئلہ ہے جس کو آسانی کے ساتھ رد نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اب عصر جدید میں اس متفقہ مسئلے کو ایک نزاعی مسئلہ قرار دے کر فتنہ پیدا کرنے کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ اور اس سلسلے میں مصر کے بعض متجددین پیش پیش دکھائی دیتے ہیں۔ تفصیلی بحث کی اس وقت گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا اس موقعہ پر ایک اختلافی حدیث نقل کر کے اس کی خامیوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ایک اختلافی حدیث اور اس کا جواب مسلم، ابوداؤد، نسائی اور بیہقی میں طاؤس سے مروی ہے کہ ابوصہبا نے ابن عباسؓ سے پوچھا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عہدِ رسالت و ابوبکرؓ اور خلافت عمرؓ کے تین سالوں تک تین کو ایک قرار دیا جاتا تھا؟
ابن عباس نے کہا۔ ہاں! (تفسیر در منثور ۱/۲۷۹)

اس حدیث پر حسب ذیل حیثیتوں سے کلام کیا گیا ہے۔

۱۔ جمہور صحابہ و تابعین کی مسلسل اور مشہور روایات کے مقابلے میں یہ ایک شاذ روایت ہے اور کسی دوسری روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ دیگر تمام حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔ لہذا یہ اجماع صحابہ کے مقابلے میں ناقابلِ التفات ہے۔

۲۔ یہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے مگر خود حضرت ابن عباسؓ اس حدیث کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جیساکہ پچھلی حدیثوں سے بخوبی ظاہر ہوگیا۔ لہذا یہ حدیث قابلِ حجت نہیں رہی۔ بلکہ ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خود راوی نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا بلکہ اس کی خلاف ورزی کی ہے تو اس کی کوئی قوی علت ان کے پاس ضرور موجود رہی ہوگی۔ اور پھر ایسی صورت میں جب کہ دیگر صحیح حدیثیں اور صحابہ کرام کا تعامل اس کے خلاف بھی ہو۔

۳۔ بڑے بڑے ائمہ اور محدثین نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے اسے ناقابلِ اعتبار بتایا ہے چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے اس روایت کو ایک وہم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی طرف فقہائے حجاز۔ فقہائے شام و عراق اور فقہائے مشرق و مغرب میں سے کسی نے بھی توجہ نہیں کی (تفسیر آیات الاحکام: ۱/۳۳۶)

۴۔ صحابہ کرام کے اجماع کو نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے جن میں خود حضرت ابن عباس بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی ہی حدیث کو نظر انداز کر کے جمہور کے ساتھ اتفاق کر لیا ہے۔

۵۔ پھر طرفہ یہ کہ اس حدیث میں "تین کو ایک قرار دینے" کی جو بات کہی ہے اس کی نوعیت واضح نہیں ہے کہ آیا وہ بیک لفظ تین کہی جاتی تھیں (یعنی مجلس میں تین کہی جاتی تھیں) یا متفرق متفرق طور پر تین کہی جاتی تھیں۔ یا بطور تاکید کہی جاتی تھیں؟ مگر ہاں ایک دوسری روایت میں جو صرف ابو داؤد اور بیہقی میں انہی تابعی (طاؤس) سے مروی ہے کہ یہ بات اُس منکوحہ کے بارے میں ہے جس کو ابھی ہاتھ نہ لگایا گیا ہو۔ (تفسیر درمنثور: ۱/ ۲۷۹)

یعنی ایسی عورت سے جب کوئی یوں کہتا کہ "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" تو محض پہلے دو الفاظ (انت طالق) کے تلفظ کے ساتھ ہی اس پر طلاق واقع ہو جاتی اور "ثلاثاً" کا لفظ لغو قرار دیا جاتا۔ کیونکہ ایسی عورت پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائن ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری: ۹/۳۶۳)

حضرت عمرؓ پر ایک غلط الزام | اس حدیث کی اور بھی بہت سی تاویلیں کی گئی ہیں مگر اصولی اعتبار سے وہ صحیح نہیں معلوم ہوئیں۔ کیونکہ یہ روایت حقیقتاً شاذ اور دیگر روایات کے خلاف ہے اور اس

کی تاویل کی وجہ سے اس کو صحت و استناد کا درجہ مل جاتا ہے۔ بہرحال اسی حدیث میں (جو عجوبہ روزگار ہے) یہ بھی مذکور ہے:۔

"حضرت عمرؓ کے زمانے میں بکثرت اس قسم کے واقعات ہونے لگے۔ آپ نے دیکھا کہ جس معاملے میں لوگوں کو بہت مہلت دی گئی تھی۔ اس میں وہ جلدی کر رہے ہیں تو کیوں نہ ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں۔ پس انہوں نے اس کو ان پر نافذ کر دیا" (مسلم)

اس حدیث کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے اس پر کافی شور مچایا ہے کہ حضرت عمر کو خواہ وہ کتنے ہی بڑے صحابی اور خلیفہ کیوں نہ ہوں، شریعت میں مداخلت کرتے ہوئے ایک جائز چیز کو ناجائز قرار دینے کا حق نہیں ہو سکتا۔ اور بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ عرض کیا گیا اصولی اعتبار سے جب یہ حدیث ہی سرے سے وہم و خیال پر مبنی ہے تو پھر اس کی تاویل کرنا اور حضرت عمرؓ کی طرف سے مدافعت کرنا بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر جیسے متبع شریعت پر اس قسم کا الزام سرے سے غیر واقعی بلکہ باطل نظر آتا ہے۔ آپ کے بارے میں یہ تصور بھی محال اور دور ازفہم ہے کہ آپ نے ایک غیر شرعی چیز کو ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے گلے میں باندھ دیا ہو۔ کتاب و سنّت کے معاملے میں آپ کا تشدد اور آپ کا تفقہ اور دقیقہ سنجی مشہور و معروف ہے۔ مختلف روایات و واقعات مظہر ہیں کہ آپ کتاب و سنت کے فیصلوں سے ایک بال برابر ہٹنا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور اہم معاملات میں آپ صحابہ کرام اور اپنی مجلس شوریٰ سے مشورے کیا کرتے تھے جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث کے مطابق آیت قرآنی (اہل اسلام کو اپنے معاملات میں باہم مشورہ کر لینا چاہیئے) کے ذیل میں یہ تصریح ملتی ہے کہ خلفائے راشدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مباح امور میں قابلِ اعتماد اہلِ علم سے مشورہ کر لیا کرتے تھے تاکہ آسان بات کو اختیار کر سکیں۔ پھر جب قرآن یا حدیث سے کوئی حکم مل جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اس سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ (یعنی اس کے خلاف کسی کی نہ سنتے تھے)

اسی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کے اصحاب شوریٰ میں قرآن کے قاری یعنی اس کا علم رکھنے والے ہوا کرتے تھے اور مزید یہ کہ آپ قرآنی حکم کے سامنے بالکل مودّب ہو جایا کرتے تھے (بخاری، کتاب الاعتصام)

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے مشوروں کی چند مثالیں بھی دی ہیں۔ کہ کس طرح انہوں نے مختلف مسائل میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ اس کے علاوہ موصوف نے بیہقی کی ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق آپ کے اور حضرت ابوبکرؓ کے طریقۂ کار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ کتاب اللہ

میں نظر ڈالتے۔ اگر اس میں اس مسئلے کا حل مل جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔ مگر جب ان دونوں میں کوئی بات نہ ملتی تو اہل اسلام سے سنت کے بارے میں دریافت کرتے۔ پھر بھی اگر مسئلے کا حل نہ ملتا۔ تب علماء اور اہم لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ طلب فرماتے۔ اور حضرت عمر بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔
(فتح الباری: ۱۳/ ۳۴۲)

اسی طرح بعض کتابوں میں تصریح ملتی ہے کہ آپ کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر کے فیصلوں کو بھی مدنظر رکھا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسی صورت میں آپ کی ذات گرامی پر یہ ایک لغو اور لچر الزام ہے کہ آپ نے سنت رسول اور حضرت ابوبکر کے دور میں رائج شدہ قانون شریعت کو بدل ڈالا۔ اور محض اپنی رائے سے ایک نیا فیصلہ کر ڈالا۔ اور مزید حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ کے اس اقدام پر کسی نے ٹوکا تک نہیں۔ بلکہ تمام صحابہ کرام نے چپ چاپ آپ کی رائے کو مان لیا۔ میرے خیال میں یہ نہ صرف حضرت عمر پر بلکہ تمام صحابہ کرام پر ایک سنگین الزام ہے جس کو کوئی بھی سلیم الطبع شخص درست قرار نہیں دے سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف حضرت عمرؓ ایک نقطہ تک سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ان کی خلاف ورزی تو بہت دور کی بات ہے۔ مثال کے طور پر فاطمہ بنت قیس رضؓ کی حدیث کو دیکھئے جو مطلقہ ثلاثہ (بائنہ) کو نفقہ ور رہائش سے محروم کرنے والی تھی۔ مگر آپ نے محض اس بنا پر اس کو رد کر دیا۔ کہ وہ کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ حالاں کہ کسی صحابی یا صحابیہ سے جھوٹ بات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ جب کتاب وسنت کے بارے میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم ہو تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے قرآن و حدیث اور خلیفہ اول کے دور میں رائج قانون کی خلاف ورزی کی؟ ایک متبع شریعت پر یہ ایک بہتان عظیم ہے۔ اور پھر اس کو محض حضرت کی رائے یا ایک سیاسی فیصلہ کہنا مزید ستم ظریفی ہے۔ ایک خالص شرعی اور گھریلو مسئلے کا بھلا سیاست یا نظم حکومت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ عجیب بات ہے کہ لوگ بلا سوچے سمجھے جو جی میں آتا ہے کہہ بیٹھتے ہیں اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حضرت عمرؓ اور آپ کے ساتھیوں کا فیصلہ تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ فلاں اور فلاں کے قول وعمل کے مقابلے میں حضرت عمرؓ اور آپ کے ساتھیوں کا قول وعمل قابل حجت کیوں نہیں بن سکتا؟ کیا دین وشریعت کے فہم میں کسی اور کا درجہ صحابۂ کرام سے بڑھا ہوا ہے؟ اتنی موٹی سی بات آخر لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟

حاصل یہ کہ نہ تو حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے کوئی نیا حکم نافذ کیا اور نہ شریعت کے کسی حکم کو منسوخ کیا۔ بلکہ دور رسالت سے جو قانون نافذ تھا وہی آپ کے دور میں بھی جاری رہا اور اس کے بعد بھی اسی پر عمل کیا گیا (جیسا کہ پچھلے صفحات میں درج کردہ حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔) تمام صحابۂ کرام اسی کے

قائل تھے۔ اور اسی پر ان کا عمل تھا۔ اور اسی پر وہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ لہٰذا انہیں اتنی ساری حدیثوں کے مقابلے میں ایک حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔ جو پورے معاملے کو مشتبہ بنا دیتی ہے۔ اور پھر اس کے شاذ ہونے کی بنا پر اس کے پہلے جزو (دورِ رسالت اور دورِ ابوبکرؓ میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا) کو جس طرح پوری امت نے ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے رد کر دیا ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا جزو (کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں تین کو تین قرار دیا) بھی ناقابلِ التفات بلکہ ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ غرض یہ حدیث امت کے لئے ایک فتنہ بن گئی اور پتہ نہیں اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ مگر اس کو حدیث کے عجائبات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے امام نووی نے اس کو ایک مشکل ترین حدیث قرار دیا ہے (شرح مسلم)

اجماعِ امت | بہرحال اس شاذ حدیث کو نظر انداز کر کے جب ہم پورے ذخیرۂ حدیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان اس بارے میں سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں تھا کہ بیک وقت یا ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں نہ کہ ایک، متفق ہے۔ اور خود حدیث شریف کی رو سے دینی امور میں "سوادِ اعظم" (امت کی اکثریت) کا اتباع واجب ہے۔

"میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جب تم امت میں اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم یعنی اکثریت کے ساتھ ہو جاؤ" (ابن ماجہ، ابواب الفتن)

بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں چاروں ائمہ (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کسی مسئلے پر متفق نظر آتے ہوں۔ اور تمام فقہا و محدثین کے درمیان اتفاق تو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ مگر اللہ کی شان کہ طلاق کے مسئلے میں چاروں ائمہ اور تقریباً تمام محدثین متفق نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اس متفقہ مسئلے سے اختلاف کرنا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانا ہے۔ اور پھر اس بارے میں تشدد پیدا کرتے ہوئے اس متفقہ مسلک پر چلنے والوں کے حق میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا بڑی افسوسناک بات ہے جس سے ہم سب کو اور خصوصیت کے ساتھ اتباعِ سنت کا دعویٰ کرنے والوں کو قطعی احتراز کرنا چاہیئے۔

موجودہ فتنوں کے دور میں سنتِ نبوی اور صحابۂ کرامؓ کی اتباع ہی میں ہماری نجات ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو سنتِ رسول صلعم کا احترام کرنے اور اس پر نیک نیتی کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک وضاحت | آخر میں ایک بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا شرعاً ناجائز اور بہت بڑا گناہ ہے۔ اور جمہور علماء اس کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر وہ ناجائز یا حرام ہونے کے باوجود تمام فقہا کے نزدیک قانوناً نافذ ہو جاتی ہے۔ یہ دو الگ الگ مسائل

ہیں۔ اور اسی میں لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی مسئلے میں اشتباہ پیدا کر کے عصر جدید کے بعض متجدد اور شر پسند لوگ علماء اور فقہا پر خواہ مخواہ کیچڑ اچھالتے ہیں۔ گویا کہ تین طلاق دینے کا طریقہ اور قانون علماء نے اپنی طرف سے گھڑ کر نکال لیا ہے۔ اور وہ قرآن و حدیث کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ گویا کہ قرآن اور حدیث کو صحیح طور پر سمجھنے والے یہی متجدد لوگ ہیں۔ جن کی قابلیت کا یہ حال ہے کہ وہ محض اردو ترجموں کی مدد سے نہ صرف قرآن کی تفسیر بلکہ اجتہاد بھی کرنا چاہتے ہیں۔ غرض جیسا کہ اوپر پیش کردہ احادیث سے بخوبی واضح ہو گیا۔ تین طلاقوں کے وقوع پر تمام حدیثیں متفق ہیں۔ مگر ایسا کرنا شرعاً سخت گناہ اور شدید ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے حدیث نمبر ا کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ کیونکہ یہ عمل سنت طریقے کے مطابق نہیں تھا۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سنت طریقے پر عمل کرتے ہوئے سخت مجبوری کی حالت میں صرف ایک ہی طلاق دیں۔ کیونکہ اس طرح وہ بعد میں پچھتانے سے بچ سکتے ہیں۔ یعنی اس صورت میں رجوع کا اختیار باقی رہتا ہے۔ اس کے برعکس تین طلاقیں تو رشتۂ ازدواج کو پوری طرح کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ جیسا کہ تمام حدیثیں اس پر دلالت کر رہی ہیں۔ یہی مسلک حق ہے۔ اور اس کے برعکس کہی جانے والی باتیں پورے ذخیرۂ حدیث کو رد کر دینے کے برابر ہیں۔

حرفِ آخر | آج ہندوستان میں جو مخالف شریعت لہر چل رہی ہے اس کے مقابلے کا تقاضا ہے کہ ہم شریعت میں رخنے پیدا نہ کریں۔ اور صدیوں سے چلے آ رہے متفقہ قانون کو بدلنے کی تحریک کر کے فرقہ پرستوں اور شریعت دشمنوں کے بازو مضبوط کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ شریعت پر جب چھری چلے گی تو پھر نام نہاد مقلد اور غیر مقلد کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔

لہذا ہمیں اختلافی مسائل کو خواہ مخواہ الجھا کر آپس میں سر پھٹول کرنے سے سخت اجتناب کرنا چاہیے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ دینی امور میں غلو کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اسی چیز نے پچھلی امتوں کو ہلاک کر دیا (نسائی و ابن ماجہ) اور اسی معنی میں امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین والبدع اس کی رو سے کسی معاملے میں خواہ مخواہ تشدد اختیار کرنا، علمی امور میں فضول جھگڑنا اور دینی معاملات یا بدعتوں میں غلو اختیار کرنا یعنی حد سے بڑھ جانا سخت منع ہے۔

(بخاری، کتاب الاعتصام)

80
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں
۸۰ سال سے بے مثال
مشروبِ مشرق رُوح افزا
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
رُوحِ پاکستان
توہین آمیز طرزِ تخاطب احساسِ کمتری کا نتیجہ ہے
ADARTS-HRA-3/96

ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب شعبہ علوم اسلامیہ
اسلامیہ یونیورسٹی ۔ بہاولپور

قریش کی حربی صلاحیت

قریش ایک نامور عربی النسل قبیلہ تھا۔ جو مکہ میں آباد تھا۔ عربوں کے دیگر قبائل میں اس کے اثر ورسوخ کا یہ عالم تھا کہ جب تک یہ آنحضرتؐ کا مخالف رہا آپؐ کو جزیرہ نمائے عرب میں نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ حضور سرور کائنات چونکہ خود بھی قریشی النسل تھے اس لئے عرب سیاست میں اپنے قبیلے کے مقام ومرتبہ اور سیاسی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی میں ۱۲ سال ان پر صرف کر دیئے اور جب آپ بالآخر انہیں اپنا حلقہ بگوش بنا لینے میں کامیاب ہو گئے تو نتیجہ عین آپ کی توقع کے مطابق برآمد ہوا یعنی سارا عرب پکے ہوئے پھل کی مانند آپ کی جھولی میں آگرا[۱]

عربوں میں قریش کے اثر ورسوخ اور ان کی سیاسی اہمیت کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ جن میں سے اہم ترین ان کی فوجی قوت، عددی برتری اور فنونِ جنگ میں ان کی مہارت ہے۔ انہیں ایک بڑا قبیلہ[۲] اور ان کے ہر فرد کو پیدائشی سپاہی اور میدانِ جنگ کا ہیرو باور کرایا جاتا ہے زیر نظر مقالے کا مقصد اس امر کی تحقیق کرنا ہے کہ قریش کی جس نسل سے آنحضرتؐ کو واسطہ پڑا ان کی حربی قوت وصلاحیت کیا تھی۔

قریش مکہ میں قصی بن کلاب کے زیر قیادت آباد ہوئے جس نے بنو خزاعہ کو مکہ سے بے دخل کر کے وہاں اپنی سیادت قائم کر لی تھی[۳]

مکہ میں آباد ہونے سے قبل دیگر عرب قبائل کی طرح قریش بھی صحرائی بدوؤں کا ایک قبیلہ تھا اور انہی کی طرح جفاکشی اور جنگ جوئی کی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھا۔ شہر میں آباد ہو جانے کے باعث یہ خصوصیات رفتہ

---

۱ قرآن مجید میں اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں ہوا ہے۔ "اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔"

۲ لفظ قریش کے ایک معنی سمندر کی ایک جڑی بوٹی بیان کئے جاتے ہیں جو دوسری جڑی بوٹیوں کو کھا جاتی ہے۔ "انما سمیت بدابۃ تکون فی البحر تاکل دواب البحر تدعی القریش" جواد علی تاریخ العرب قبل الاسلام طبع ثالثہ بیروت ۱۹۸۰ء جلد ۴ ص ۲۳

۳ ابن ہشام، سیرۃ النبویہ علی حاشیۃ الروض الانف للسہیلی۔ مکتبہ فاروقیہ ملتان ۱۹۷۷ء جلد ۱ ص ۸۰-۸۷ ابن الاثیر، تاریخ الکامل طبع منیریہ مصر ج ۲ ص ۱۲

رفتہ رفتہ زنگ آلود ہوتی گئیں اور قریش معاشی مسائل میں گھر گئے۔ کیونکہ مکہ کی زمین اور آب و ہوا ناسازگار تھی۔ قریش نے اس مشکل صورت حال سے نمٹنے کے لئے تجارت کو اپنانا چاہا۔ لیکن تجارت دنگا فساد اور جنگ کی کیفیت میں پروان نہیں چڑھ سکتی۔ اس کے لئے امن و امان کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے پہلے اندرون مکہ امن قائم کیا۔ اور اپنے مختلف خاندانوں کو باہمی جھگڑوں سے بچانے کے لئے ایک نیم شہری ریاست قائم کر کے مختلف امور، مختلف خاندانوں کے سپرد کر دیئے[1] تاکہ تنازعات پیدا نہ ہوں۔ اور شہر میں امن و امان قائم رہے۔

مکہ کے حرم ہونے کے باعث ان کی یہ کوشش بڑی حد تک بارآور ہو گئی۔ اور باہر سے آنے والوں کو بھی یہاں تحفظ کا احساس ہونے لگا جس کے باعث مکہ کے گرد و نواح میں منڈیاں اور بازار قائم ہو گئے۔ جہاں فرد آزادانہ خرید و فروخت کر سکتا تھا[2]

جب یہ سلسلہ چل نکلا تو ان منڈیوں میں بیرونی ممالک سے مال لا کر فروخت کرنے اور اپنا مال دیگر ممالک میں لے جا کر بیچنے کا رجحان پیدا ہو گیا۔ قریش نے یہ معاملہ بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور شام، یمن اور حبشہ وغیرہ ممالک میں ان کے تجارتی کاروان چلنے لگے۔ چونکہ ان کاروانوں کی بحفاظت آمد و رفت کے لئے تجارتی راستوں پر امن کا ہونا ضروری تھا اس لئے قریش نے اپنے تجارتی راستوں پر آباد قبائل عرب کو بھی اس نظام سے منسلک کر لیا۔ ان سے معاہدے کئے۔ کہ جب قافلہ تجارت کسی بیرونی ملک جائے گا تو راستے کے قبائل اپنی جو چیز منڈیوں میں فروخت کے لئے بھیجنا چاہیں وہ قریشی کاروان کے حوالے کر دیں گے۔ اہل قافلہ اسے بیرون ملک بیچ کر اس کی قیمت (یا اس کے عوض کوئی مطلوبہ چیز خرید کر) واپسی کے سفر میں اس قبیلے کے سپرد کر دیں گے اس طرح قبائل عرب سفر کی صعوبتیں برداشت کئے بغیر اپنی اجناس بیرونی منڈیوں میں فروخت کرنے اور وہاں سے مطلوبہ اشیا گھر بیٹھے حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔ اس سہولت کے عوض تجارتی راستوں پر آباد قبائل کی یہ ذمہ داری قرار دے دی گئی کہ وہ قافلوں کی (اپنی حدود کے اندر) حفاظت کریں۔ ان معاہدوں کو ایلاف کا نام دیا گیا[3]۔ اس انتظام کے ذریعے اہل مکہ رفتہ رفتہ بڑے تاجر بن گئے۔ ہزاروں اونٹوں پر مشتمل ان کے کارواں رواں دواں رہنے لگے۔ اور وہی عرب قبائل جن کا پیشہ ہی لوٹ مار تھا وہ ان کاروانوں کے محافظ بن گئے۔

---

[1] ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۳-۱۴ [2] یامنون علی دماہم و اموالہم فیہا۔ ان اسواق میں تمام لوگوں کے جان و مال محفوظ تھے۔ یعقوبی تاریخ نجف ۱۳۵۸ھ جلد ۱ ص ۲۲۶ [3] القالی، ذیل الآمالی والنوادر، بولاق، ۱۳۲۴ھ ص ۲۰۴-۲۰۵ محمد بن حبیب کتاب المنمق حیدرآباد دکن ۱۳۸۴ھ ص ۳۲-۳۶۔ الکلاعی، کتاب الاکتفاء تعلیقات ہنری ماسہ، الجیریا ۱۹۳۱ء ص ۲۰۸-۲۰۹ نیز جواد علی تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۴ ص ۲۰

اس نظام کی بدولت اہل مکہ کے لئے پورے ملک میں امن قائم ہوگیا۔ تجارت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی سرمائے دن بدن بڑھنے لگے۔ تعیشات کا بول بالا ہوگیا۔ شمشیر و سناں کے کھیل قریش کے لئے قصۂ پارینہ ہوگئے بزم آرائیاں ان کا مشغلہ بن گئیں۔ اور ایسی مجالس میں اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کا فخریہ ذکر ان کی قوت و شوکت کا نشان بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ کو مسمار کرنے کے مذموم ارادے کے تحت مکہ پر حملہ کیا تو قریش اپنے شہر کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے لڑنے کی بجائے پہاڑوں میں جاکر چھپ گئے۔[1] دولت مند قریشیوں نے یقیناً یہی سوچا ہوگا کہ لڑنے کی صورت میں خواہ فتح بھی ہو جائے لیکن جانی و مالی نقصان تو ہوگا جسے برداشت کرنا سرمایہ دار کے لئے سب سے کٹھن امر ہے اور نہ لڑنے کی صورت میں صرف یہی ہوگا کہ ایک گھر مسمار ہو جائے گا۔ جسے ابرہہ کی واپسی کے بعد چندہ اکٹھا کر کے دوبارہ بنا لینا کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ چونکہ یہ دوسری صورت ان سرمایہ داروں کے لئے فائدہ مند تھی۔ اس لئے وہ شہر چھوڑ کر اپنی پہاڑی عافیت کدوں میں چلے گئے۔

ابرہہ کے حملے نے ظاہر کر دیا کہ قریش کی حربی صلاحیتوں کو تجارت (اور اس کے سودی کاروبار) نے مکمل طور پر زنگ آلود کر دیا ہے۔ قریش کو شائد اس سے پہلے ہی اپنی اس خامی کا احساس ہونا شروع ہوگیا تھا۔ لیکن وہ مال و دولت کی حرص میں اس قدر آگے نکل چکے تھے کہ اپنی آبادی کے ایک حصے کو تجارتی مشاغل سے ہٹا کر عسکری خدمات کے لئے وقف کرنے کی بجائے انہوں نے بعض غیر قریشی قبائل کو مکہ کے ارد گرد آباد کر لیا۔ اور ان کی معاش کی ذمہ داری کے عوض ناگہانی ضرورتوں کے وقت اپنے دفاع کا فریضہ ان کے سپرد کر دیا۔ ان قبائل کو احابیش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[2] گویا وہ کرائے کی یا پیشہ ور غیر قریشی فوج قائم کر کے خود مستقلاً شمشیر و سناں سے دستبردار ہو گئے۔

---

[1] ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۵ نیز ملاحظہ فرمایئے ابن الاثیر جلد ۱ ص ۲۶۱ پر عبدالمطلب کا اہل مکہ کے نام یہ فرمان "وامرہم بالخروج معہ من مکہ والتحرز فی رؤوس الجبال خوفاً من معرۃ الحبش"۔
ابرہہ کے حملے اور قریش کے طرز عمل کے تنقیدی جائزہ کے لئے دیکھئے

[2] ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۱ کے مطابق یہ انتظام عبدمناف نے کیا تھا۔ "وہو الذی عقد الحلف بین قریش والاحابیش"
اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے منٹگمری واٹ۔ محمد ایٹ مکہ آکسفورڈ ۱۹۵۳ء ص ۱۵۴-۱۵۷ اور جواد علی "تاریخ قبل العرب قبل الاسلام جلد ۴ ص ۳۰ تا ۳۷

واقعہ فیل کے بعد جنگ بدر تک قریش بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی تجارتی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ۵۵ سال کے اس طویل عرصے میں انہیں صرف ایک بار اپنے زنگ آلود ہتھیار استعمال کرنے کا موقع ملا۔ جسے حرب فجار کہتے ہیں یہ جنگ اس وقت وقوع پذیر ہوئی جب حضور سرورِ کونین کی عمر مبارک ۱۴، ۱۵ یا ۲۰ سال تھی۔[1] اس جنگ میں فطرتی طور پر قریش کی کارکردگی اچھی نہ رہی بلکہ آغاز جنگ میں تو انہیں شکست بھی ہو گئی تھی اور یقیناً احابیش کی مداخلت سے ہی جنگ کا پانسہ پلٹا ہوگا۔

قصی بن کلاب کی موت کے کم از کم ایک صدی بعد مذکورہ بالا پہلی اور آخری جنگ میں قریش کی جس نسل نے کسی نہ کسی حد تک جنگ کا عملی تجربہ حاصل کیا تھا جنگِ بدر تک (جو اس واقعہ کے کم از کم ۳۵ سال بعد واقع ہوئی۔) وہ نسل ختم ہو چکی تھی۔ اس جنگ کے ہیرو اب مر چکے تھے۔ اس وقت کے جوان اب بوڑھے ہو چکے تھے۔ بچے اب کہولت کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اور ایک نسل جوان ہو چکی تھی جو پیدا ہی اس جنگ کے بعد ہوئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کے مدمقابل اسی نسلِ نو پر قریش کی قوت کا دارومدار تھا۔ یعنی ان لوگوں پر جنہوں نے بذاتِ خود کسی جنگ میں حصہ لینا تو درکنار کبھی اپنی آنکھوں سے جنگ کا مشاہدہ بھی نہ کیا تھا۔

جنگ بدر وہ پہلا معرکہ ہے جس میں قریش پہلی مرتبہ میدانِ جنگ میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے۔ اور اس جنگ نے قریش کی عسکری صلاحیت اور فوجی قوت کے ڈھول کا پول کھول دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ عرب کے دیگر قبائل بالخصوص انصارِ مدینہ درج بالا خوبیوں میں ان سے کہیں آگے تھے۔ آیئے ذرا جنگِ بدر کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔

۲ ہجری میں لڑی جانے والی جنگ بدر کی بڑی وجہ وہ قافلہ تجارت تھا جس کے تعاقب میں آپ مدینہ سے نکلے تھے۔ قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں آپ کی پہنچ سے دور۔ اور اسے بچانے کی خاطر مکہ سے آئی ہوئی قریشی فوج آپ کے نزدیک تر ہوتی گئی۔ جب حضرت رسول کریم صلعم کو یہ محسوس ہو گیا کہ اب جنگ ناگزیر ہے۔ تو آپ نے صورتِ حال کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور مقداد وغیرہ مہاجرین نے آپ کو پورے تعاون کا یقین دلایا لیکن آنحضرت مطمئن نہ ہوئے اور پھر فرمایا

اشیروا علیّ ایھا الناس وانما یرید الانصار وذالک انھم عدد الناس وانھم حین بایعوہ بالعقبہ۔ قالوا یارسول اللہ انا براء من ذمامک حتیٰ تصل الی دورنا فاذا وصلت الینا انت فی ذمتنا نمنعک مما نمنع منہ ابناءنا ونساءنا فکان رسول اللہ یتخوف ان لا تکون

---

[1] ابن اسحاق کے مطابق آپ کی عمر مبارک اس وقت ۲۰ سال تھی۔ دیکھئے ابن ہشام جلد ۱ صہ ۱۲۱ (باقی اگلے صفحہ پر)

اذا استوی علیہا نصرۃ الامن دھمہ بالمدینۃ من عدوہ وان لیس علیہم ان یسیرھم الی
عدو من بلادھم [۱]
اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ اور آپ کا روئے سخن انصار کی جانب تھا کیونکہ انہوں نے جب عقبہ میں بیعت
کی تھی کہا تھا کہ ہم اس وقت تک آپ کی حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہیں جب تک آپ مدینہ نہیں پہنچ جاتے
ہاں جب آپ وہاں چلے آئیں گے تو ہم اسی طرح آپ کے محافظ ہوں گے جس طرح اپنے گھر والوں کے۔ رسول اللہ کو
خدشہ ہے کہ اس شرط کی بنا پر انصار کہیں یہ نہ سمجھتے ہوں کہ صرف مدینہ پر حملہ کی صورت میں ہی وہ رسول کا ساتھ
دینے کے پابند ہیں اور اگر رسول اللہ خود مدینہ سے نکل کر کسی دشمن پر حملہ آور ہوں تو انصار پر آپ کی مدد ضروری نہیں۔
ایک اور روایت کے مطابق آنحضرت صلعم نے انصار سے اس لئے مشورہ طلب کیا تھا
وکان یظن ان الانصار لا تنصرہ الا فی الدار وذالک انہم شرطوا لہ ان یمنعوہ مما
یمنعون منہ انفسہم واولادھم [۲]
کہ آپ کا خیال تھا کہ انصار آپ کی مدد صرف گھر کے اندر کریں گے اور خیال کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے آپ سے
معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ کا اسی طرح دفاع کریں گے جس طرح اپنا اور اپنی اولاد کا دفاع کرتے ہیں۔
ان روایات میں جس خدشے کا اظہار کیا گیا ہے وہ درج ذیل وجوہات کے باعث بے بنیاد ہے۔
بیعت عقبہ ثانیہ کی کارروائی میں انصار کی جانب سے اس طرح کی کسی شرط کا ذکر نہیں ملتا۔ کہ ان کی ذمہ داری
اس وقت شروع ہوگی جب آپ مدینہ پہنچ جائیں گے۔

بقیہ گذشتہ صفحہ:— ابن قتیبہ کا خیال بھی یہی ہے۔ دیکھئے المعارف ص ۶۵۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں وبین
عام الفیل وعام الفجار عشرون سنۃ کہ عام الفیل اور عام الفجار کے درمیان ۲۰ سال کا عرصہ ہے۔ چونکہ عام الفیل آنحضرت
کا سال ولادت ہے اس لحاظ سے حرب فجار میں آپ کی عمر مبارک ۲۰ سال بنتی ہے۔ یہی رائے مسعودی کی ہے — دیکھئے
مروج الذہب مطبع سعادہ مصر ۱۹۴۸، جلد ۲ ص ۵-۲۷۴ ہے۔ تاہم بعض دوسری روایات کے مطابق آپ صلعم کی عمر مبارک
اس وقت ۱۴ یا ۱۵ سال تھی۔ دیکھئے ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۲۰۔ یعقوبی نے آپ کی عمر مبارک ۱۷ سال بیان کی ہے۔ دیکھئے
تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۱۔

[۱] ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۶۴۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ مطبع سعادہ مصر ۱۹۳۲، جلد ۳ ص ۲۶۲۔ طبری تاریخ الرسل
والملوک طبع حسینیہ مصر۔ طبع اول جلد ۲ ص ۲۷۴۔ [۲] محمد بن عمر الواقدی، کتاب المغازی۔ تعلیقات مارسڈن جونز
آکسفورڈ ۱۹۶۶، جلد ۱ ص ۴۸ [۳] دیکھئے ابن ہشام ج ۱ ص ۸۱-۲۷۵۔ طبری جلد ۲ ص ۴۰-۲۴۸

دوسری روایت کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا کہ دفاع کا معاہدہ صرف مدینہ تک محدود ہے درست نہیں۔ کیونکہ اگر کسی انصاری کے بیوی بچے مدینہ سے باہر کسی ضرورت سے گئے ہوں تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ چونکہ وہ مدینہ سے باہر ہیں اس لئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ بلکہ وہ اس کے بیوی بچے ہونے کی حیثیت سے جہاں کہیں ہوں ان کا دفاع اس کی ذمہ داری ہوگی۔

حضور سرورِ کونین جیسا صاحب فراست اور ذہین انسان ایسے بے بنیاد خدشوں میں مبتلا نہیں ہو سکتا تھا یہ محض ہمارے مورخین کی خیال آرائیاں ہیں۔ آنحضرت صلعم انصار کے قیدی نہیں تھے۔ کہ مدینہ میں محدود ہو کر رہ جائیں۔ ان کا مشن عالمگیر تھا انہیں کہیں بھی جانا پڑتا تو یہ خدشہ ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا کہ انصار ساتھ نہیں دیں گے اس لئے ہمارا موقف یہ ہے کہ عقبہ میں یا تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اگر ہوئی ہے تو وہ یوں ہوگی۔ کہ انصار نے وعدہ کیا ہوگا کہ آپ صلعم ایک دفعہ مکہ سے بچ بچا کر ہمارے ہاں پہنچ جائیں اس کے بعد ہم آپ کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور آپ کی خاطر سرخ و سفید سے ہر جگہ لڑیں گے۔

اگر بات یوں نہ ہو اور ابن ہشام وغیرہ کی بیان کردہ روایات درست ہوں تو پھر عبداللہ بن ابی کا جنگ احد میں مسلمانوں کے لشکر سے نکل جانا کوئی جرم نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ اگر انصار کی جانب سے مدد اور دفاع کا وعدہ عقبہ میں صرف اندرون مدینہ تک محدود کر دیا گیا تھا تو ابن ابی نے اس کی مکمل پاسداری کی تھی۔ جنگ لڑنے کے بارے میں بہت عمدہ اور معقول مشورہ دیا تھا۔ کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی جائے۔ جب اس کا مشورہ تسلیم نہ کیا گیا تو وہ اس وقت تک مسلمانوں کے لشکر میں رہا جب تک آپ مدینہ کی حدود سے نکل نہ گئے[1]

اس مرحلہ پر اس نے یہی سمجھا ہوگا کہ عقبہ میں اہل مدینہ نے آپ کے دفاع کی جو ذمہ داری اٹھائی تھی وہ مدینہ کی حدود ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اور وہ واپس چلا گیا۔ اگر عقبہ میں واقعتہً کوئی ایسی شرط طے ہوئی تھی تو بتایئے کہ ابن ابی نے کونسی بات خلاف معاہدہ کی ہے جس پر اسے الزام دیا جا سکے۔

اندریں حالات میں سمجھتا ہوں کہ صورت واقعہ وہ نہیں ہے۔ جو ہمارے مورخین بیان کرتے ہیں بلکہ جب آپ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا اور مہاجرین نے تعاون کا یقین دلایا تو آپ اس لئے مطمئن نہیں ہوئے کہ مہاجرین جو زیادہ تر قریشی تھے جنگ کے ماہر تھے۔ آپ صلعم جانتے تھے کہ ابو بکر کے جذبات ایک طرف لیکن اس نے کونسی جنگ میں حصہ لیا ہے جو اس کی صلاحیتوں پر اعتماد کر لیا جائے۔ آپ جانتے تھے کہ حضرت عمر بھی کبھی میدان جنگ میں نہیں اترے۔ اور حضرت علی نے تو کبھی جنگ ہوتے بھی نہ دیکھی تھی۔ ان بزرگوں کے نیک جذبات بجا لیکن

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۸۔ واقدی جلد ا ص ۲۱۹۔ ابن سعد۔ طبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت جلد ۲ ص ۳۹

اس وقت ضرورت تھی جو دو گرم چشیدہ اور جنگ کی بھٹی سے گذرے ہوئے انصار کے تعاون کی جنہوں نے آخری
جنگ صرف ۴½ سال قبل لڑی تھی (بعاث) اور حاضرین میں سے اکثر اس جنگ میں شرکت کر چکے تھے اور بعاث
سے قبل بھی وہ پے در پے جنگوں میں شرکت کرنے کے باعث فوجی نقطہ نظر سے وہ تمام اوصاف اپنے اندر رکھتے تھے
جن کی آنحضرت کو اس وقت شدید ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے پسند فرمایا کہ انصار بھی کچھ بولیں اور جب ان کے
نمائندے سعد بن معاذ نے پورے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا۔ انا لصبر عند الحرب[1]
آپ کی طبیعت بشاش ہو گئی اور آپ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

بدر میں ادھر ادھر کئی چشمے تھے۔ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے قریبی چشمے پر کیمپ لگا کر دشمن کی آمد کا انتظار
کرنے لگے۔ اس موقع پر انصار کا جنگی تجربہ کام آیا۔ ایک انصاری نے آپ سے عرض کیا۔ کہ اس جگہ پر کیمپ کا قیام
بذریعہ وحی ہوا ہے یا آپ نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔

آپ نے فرمایا بل هو الرأی والحرب والمكيدة - قال يا رسول الله فان هذا ليس لك بمنزل
فانهض بالناس حتى نأتي ادنى ماء سواء من القوم منزله ثم نغور ما وراءه من القلب ثم نبني عليه
حوضاً و نملأه ماء فنشرب ماء ولا يشربون ثم نقاتلهم ففعل رسول الله ذالك[2]
کہ جائے کیمپ کا انتخاب آپ نے جنگی صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی مرضی سے کیا ہے۔ اس پر انصاری
نے عرض کیا کہ یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ آگے بڑھئے اور دشمن کی جانب آخری چشمے پر کیمپ لگائیے اور پیچھے کے
تمام چشمے بند کرا دیجئے۔ اپنے چشمے پر حوض بنا کر پانی جمع فرما لیجئے۔ دشمن آئے گا تو اسے پینے کے لئے پانی نہیں ملے گا۔

---

[1] واقدی جلد ۱ ص ۴۸ - ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۳۔ ص ۲۶۳ - طبری جلد ۲ ص ۲۷۴ (انا لصبر عند الحرب) انصار
جنگ آزمودہ تھے۔ ان کی جنگوں کی مختصر فہرست درج ذیل ہے:
یوم الصفینة - یوم السرارہ - یوم وفاق بنی خطمة - یوم حاطب بن قیس - یوم حضر الکتائب - یوم الطم بنی سالم - یوم ابزدہ -
یوم البقیع - یوم بعاث - یوم مضرس و معبس - یوم الدار - یوم بعاث الآخر - یوم فجار الانصار - یعقوبی جلد ۲ - ص ۲۷ -

[2] ابن اثیر، کامل، جلد ۲ ص ۸۵ - نیز دیکھئے ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۶ - واقدی ج ۱ ص ۵۲ - ابن سعد جلد ۲۔ ص ۸۵
اور ابن کثیر، البدایہ ج ۳ ص ۲۶۷ -

مبارزت کے لئے عتبہ، شیبہ اور ولید آئے تھے۔ ان میں سے ولید کی عمر ۵ سال تھی اور عتبہ جو اس کا باپ تھا ظاہر ہے
کہ ... کے لگ بھگ ہو گا۔ اور شیبہ عتبہ سے بھی ۳ سال بڑا تھا۔ دیکھئے بلاذری۔ انساب الاشراف۔ تعلیقات حمید اللہ۔ بیروت
ج ۱۔ ص ۱۵۲

جب کہ ہم پانی سے ترو تازہ ہوں گے۔ جناب مکرمؐ نے اس رائے کو پسند فرما کر اس کے مطابق عمل کیا۔

انصار کی اس ایک جنگی چال نے جنگ کا فیصلہ قبل از وقت کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ دشمن تعداد میں زیادہ ہے۔ خشک راشن کی اس کے کوئی کمی نہیں۔ ہتھیار اور سواریاں بے شمار ہیں۔ لیکن صحرا میں پانی کے بغیر چند گھنٹے گذارنا ان کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جونہی دشمن وارد ہوا صحرا کی تپش نے ان کے حلق میں کانٹے پیوست کر دئیے۔ وہ حواس باختہ ہو کر پانی کے لئے مارے مارے پھرنے لگے۔ ایسے میں اگر ابوجہل جیسے فرعون کو ایک بچہ نیچے گرا دے تو یہ انصار کی جنگی چال کے ایک ادنیٰ سے کرشمے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

قریش اگر فن جنگ سے واقف ہوتے تو وہ میدان بدر میں [illegible] بلکہ صورت حال دیکھ کر فوراً ادھر ادھر ہٹ جاتے۔ دس پندرہ میل کے علاقے میں کسی اور جگہ کسی کنوئیں پر کیمپ لگا دیتے۔ (چونکہ یہ علاقہ ان کے تجارتی راستے میں تھا اس لئے وہ خوب جانتے تھے کہ پانی کہاں کہاں دستیاب ہے) خشک راشن اور گوشت وغیرہ کی ان کے پاس کمی نہ تھی۔ بوقت ضرورت مقامی قبائل سے (جو نظام تجارت میں ان کے ساتھی تھے) راشن ادھار بھی لیا جا سکتا تھا۔

دوسری جانب حضرت رسول اکرمؐ کے پاس راشن وغیرہ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ علاقے کے قبائل سے دوستانہ تعلقات بھی نہیں تھے۔ اس لئے وہ زیادہ عرصہ بدر میں قیام نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں مجبوراً یا تو مدینے واپس جانا پڑتا جو مسلمانوں کی شکست کے مترادف تھا۔ یا پھر آگے بڑھ کر قریش کے منتخب کردہ میدان میں ان سے لڑنا پڑتا۔ اور دشمن کے منتخب شدہ میدان میں لڑنا اکثر و بیشتر نقصان دہ ہوتا ہے۔ (جیسا کہ احد میں ہوا جہاں دشمن پہلے پہنچ کر مورچہ بند ہو گیا تھا اور مسلمانوں کو مجبوراً ایسی جگہ صف آرائی کرنا پڑی تھی جو جنگی نقطۂ نظر سے سخت نقصان دہ تھی) میدان جنگ میں دونوں لشکروں کی کارکردگی سے فن حرب میں انصار کی واضح برتری اور قریش کی کم مائیگی کا اظہار ہوتا ہے۔ قریش کے بوڑھے (مثلاً عتبہ شیبہ وغیرہ) آگے تھے (جو لڑنا تو درکنار بوقت ضرورت بھاگ بھی نہ سکتے تھے اور اسی کے باعث وہ گاجر مولی کی طرح کٹ گئے) اور جوان پیچھے۔ جرنیل آگے تھے اور سپاہی پیچھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو سالار لشکر تھا خود مبارزت کے لئے آگے آیا۔ اور کیفیت یہ تھی کہ میدان جنگ کا لباس بھی اس کے جسم پر پورا نہیں تھا۔

کہا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں اس نے خود طلب کیا۔ کوئی خود سر پر پورا نہ آیا تو کپڑا باندھ کر مبارزت کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ دراصل ان لوگوں نے کبھی جنگ لڑی ہی نہیں تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بدر میں شراب کی محفلیں برپا کریں گے۔ آباؤ اجداد کے قصیدے پڑھیں گے اور اس کی بنا پر فتح و شکست کا فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن بدر میں انصار سے واسطہ پڑ گیا (جن کے لئے جنگ روز و شب کا معمول تھا) تو سراسیمگی کے عالم میں عقل و خرد

کے منافی اور جنگی اصولوں کے خلاف راستے پر چل پڑے۔ اور قعر ہلاکت میں جا گرے۔ اس کے بالمقابل مسلم کیمپ جو عملاً انصار کا کیمپ تھا (کیونکہ مسلم فوج میں مہاجرین کی تعداد ۷۰ سے ۸۰ بتائی جاتی ہے۔ اور باقی تمام انصار تھے) ہر کام فن حرب اور جنگی اصولوں کے مطابق ہو رہا تھا۔ سالار لشکر کے لئے انصار کی تجویز پر میدان سے ہٹ کر اونچی جگہ عریش بنا دیا گیا تاکہ آپ وہاں تشریف فرما رہیں۔

واقدی نے حضرت سعد بن معاذ کی اس تجویز کا بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

نبنی لک عریشاً فتکون فیہ و نعدّ لک رواحلک ثم نلقی عدونا فان اعزّنا اللہ واظہرنا علی عدونا کان ذالک ما احببنا۔ وان تکن الاخریٰ جلست علی رواحلک فلقیت من وراءنا[1]

کہ ہم آپ کے لئے عریش بنائیں گے آپ اس میں تشریف رکھیں۔ پھر ہم دشمن سے لڑیں گے۔ اگر فتح ہو گئی تو دل ماشاد۔ لیکن اگر معاملہ الٹ گیا تو آپ عریش کے دروازے پر موجود تیار سواری پر سوار ہو کر مدینہ میں ہمارے پسماندگان سے جا ملیں۔

اور آپ نے جنگ اس طرح لڑی کہ سارا عرصہ ابوبکر کی معیت میں عریش میں متمکن ہو کر جنگ ملاحظہ کرتے رہے۔ اور بوقت ضرورت ہدایات جاری فرماتے رہے۔ سعد بن معاذ چند دیگر انصاریوں کے ہمراہ عریش کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے[2] یہ سارا انتظام اس لئے کیا گیا کہ سالار لشکر بعض اوقات پوری فوج سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اس کو نقصان پہنچنے کی صورت میں ساری فوج کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور شکست ہو جاتی ہے (جیسا کہ عتبہ کی موت کی صورت میں قریش کے ساتھ ہوا۔

مبارزت کے لئے قریش کا سالار نکل آیا تھا لیکن جواب میں آنحضرتؐ تو در کنار ابوبکر یا انصار میں سعد بن معاذ یا اس کے پلے کا کوئی اور فرد بھی میدان میں نہیں گیا۔ بات یہ نہیں کہ یہ لوگ بزدل تھے بلکہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ محفوظ رہیں اور کم نامور لوگوں کو میدان میں اتارا جائے۔ اگر وہ جیت جائیں تو فائدہ بہت ہو گا۔ کہ دیکھو ان کے چھوٹے پہلوانوں نے ہی کمال کر دیا ہے تو بڑوں کا کیا حال ہو گا۔ اور اگر چھوٹے پہلوان ہار جائیں تو درجہ بدرجہ بڑے پہلوانوں کو میدان میں اتارا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر پہلی ہی مرتبہ سالار لشکر یا اس جیسا نامور پہلوان میدان میں جا کر مارا جائے تو پوری فوج نفسیاتی دباؤ میں آجائے گی۔ اندریں حالات انصار نے اپنے ۳ سپاہیوں معوذ۔ معاذ اور عوف بن حارث کو عتبہ وغیرہ کے مقابلے میں بھیجا۔ عتبہ وغیرہ نے پوچھا من انتم۔ فقالوا رھط من انصار۔ قالوا مالنا بکم من حاجۃ۔ ثم نادیٰ منادیھم یا محمد اخرج الینا اکفاءنا من قومنا[3]

---

[1] واقدی جلد ۱ ص ۴۹ نیز دیکھئے ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۔ ابن الاثیر جلد ۲ ص ۸۵ اور ابن کثیر البدایۃ جلد ۳ ص ۲۶۸ [2] واقدی جلد ۱ ص ۲۶۸ [3] ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۷۔

تم کون ہو۔ جواب ملا، ہم انصاری ہیں۔ عتبہ وغیرہ نے کہا ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں۔ پھر باآواز بلند پکارا۔ کہ اے محمدؐ ہمارے مقابلے میں ہماری قوم کے (قریشی) ہم پلہ افراد کو بھیجو۔

ایک دوسری روایت کے مطابق عتبہ وغیرہ نے انصار کو کہا :-

اکفاء کرام وما لنا بکم من حاجۃ لیخرج اکفاءنا من قومنا[1]

کہ آپ بھی معزز لوگ ہیں لیکن ہمیں آپ سے کوئی غرض نہیں۔ ہمارے مقابلے میں ہماری قوم کے (قریشی) ہم قوم آئیں۔

اس پر انصاری واپس آگئے۔ اور علی، حمزہ اور ابو عبیدہ کو مقابلے کے لئے بھیجا۔

انصاریوں کی واپسی کی ایک اور وجہ ابن سعد نے بیان کی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جب مبارزت کے جواب میں انصار کے جوان نکلے تو

فکرہ رسول اللہ ان یکون اول قتال لقی فیہ المسلمون المشرکین فی الانصار واحب ان تکون الشوکۃ ببنی عمہ وقومہ۔ فامرھم فرجعوا الی مصافھم و قال لھم خیراً)[2]

کہ انصار آگے بڑھے تو رسول اکرمؐ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا۔ وہ چاہتے تھے کہ کفر و اسلام کے اس اولین معرکے میں شوکت حاصل کرنے کا اعزاز ان کے عزیزوں اور ہم قوم افراد کے حصے میں آئے۔ اس لئے آپ نے انصاریوں کے اقدام کی تعریف کی اور انہیں واپس بلا لیا۔

ابن سعد کی اس بات سے اتفاق کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ حضور نبی اکرمؐ سے ایسی بات منسوب کرنا جس سے اقربا پروری اور انصار کو دوسرے درجہ کا شہری سمجھنے کا شائبہ ہوتا ہو درست نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے سوچا ہو کہ بڑے پہلوانوں کی موجودگی اور سرپرستی میں بعض اوقات نو آموز اور کم تجربہ کار پہلوان بھی کارنامے دکھا جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی مواقع ان کی حوصلہ افزائی کے ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے مہاجرین کے ۳۔ افراد کو آگے کر دیا۔

یاد رہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ جو قریشی مہاجرین تھے ان کی فوجی تربیت کرنے اور ان کی عسکری صلاحیتوں کو نکھارنے کا بیڑہ گرام آپ نے اپنی مدنی زندگی کے آغاز ہی سے شروع کر دیا تھا۔ بدر سے پہلے ۸ ا ماہ میں آپ نے جو ۸ چھوٹی بڑی مہمات ادھر ادھر روانہ کی تھیں وہ اسی سلسلے کی کڑی تھیں تاکہ مہاجرین صحرائی علاقوں

---

[1] ابن الاثیر جلد ۲ ص ۸۰۔ ابن کثیر، البدایہ جلد ۳۔ ص ۲۷۳ [2] ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۔ نیز دیکھئے ابن کثیر البدایہ جلد ۳ ص ۲۷۳۔

ان دیکھے راستوں چلنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ بھوک پیاس اور مشقتیں برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں۔ ان میں چھوٹے موٹے دشمنوں سے پنجہ لڑانے کی ہمت عود کر آئے۔ ان کی زنگ آلود تلواریں دوبارہ صیقل ہو جائیں۔ ان مہمات کے ذریعے آپ کو کچھ اور حاصل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تاہم یہ مہمات اس لحاظ سے کامیاب رہیں کہ مہاجرین میں آنحضرتؐ کے مطلوبہ خصائص پیدا ہو گئے اور یہی وجہ ہے کہ میدانِ بدر میں ان کا ریکارڈ اپنے ہم قوم کفارِ قریش سے کہیں بہتر نظر آتا ہے۔ جو برسوں بعد پہلی مرتبہ میدانِ جنگ میں اترے تھے جن کے متعلق اہلِ عرب پہلے بھی جانتے تھے اور بدر میں ان کی کارکردگی نے مزید واضح کر دیا کہ جنگ کا میدان ان کے لئے ایک اجنبی جگہ ہے۔ ہماری بات کی دلیل بنو قینقاع کے وہ الفاظ ہیں جو انہوں نے جنگ بدر کے بعد آنحضرت کی جانب سے اسلام لانے کے مطالبے کے جواب میں کہے تھے۔ واقدی اس پورے واقعے کو یوں بیان کرتا ہے۔

یا معشر یہود اسلموا فواللہ انکم لتعلمون انی رسول اللہ قبل ان یوقع اللہ بکم مثل وقعۃ قریش فقالوا یا محمد لا یغرنک من لقیت قومًا اغمارًا۔ انا واللہ اصحاب الحرب ولئن قاتلتنا لتعلمن انک لم تقاتل مثلنا[1]

کہ آنحضرت نے یہود کو کہلا بھیجا کہ بخدا تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ اس لئے قبل اس کے کہ تمہارے ساتھ بھی قریش جیسا معاملہ ہو تم اسلام لے آؤ۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ قریش پر فتح پانے کی وجہ سے آپ کو اپنی قوت و شوکت کے بارے سے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہ تو (فن حرب کے لحاظ سے) ایک جاہل قوم ہے اور ہم جنگ جو لوگ ہیں۔ اگر آپ کی جنگ ہم سے ہو گئی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کس سے پنجہ لڑایا ہے۔

ابن الاثیر نے ذرا وضاحت کے ساتھ ان کے جواب کو بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

یا محمدؐ لا یغرنک انک لقیت قومًا لا علم لھم بالحرب

کہ قریش پر فتح سے آپ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ وہ تو ایسے لوگ ہیں جنہیں فن حرب سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔

ابن کثیر نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے:۔

ان رسول اللہ جمعھم فی سوقھم۔ ثم قال یا معشر یہود احذروا من اللہ مثل ما نزل بقریش من النقمہ واسلموا فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل تجدون فی کتابکم وعھد اللہ الیکم

---

[1] واقدی جلد ا ص ۱۷۶ [2] ابن الاثیر، کامل جلد ۲ ص ۹۶

فقالوا یا محمد انک تریٰ انا قومک لا یغرنک انک لقیت قوما لا علم لہم بالحرب فاصبت منہم فرصۃ اما واللہ لئن حاربناک لتعلمن انا نحن الناس[1]

کہ جب رسول کریم نے بنو قینقاع کو قریش کے شر سے ڈرا کر ایمان لانے کا تقاضا کیا تو انہوں نے کہا کہ قریش پر فتح سے آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔ کیونکہ قریش کو کیا معلوم کہ جنگ کیسے لڑی جاتی ہے۔ اگر ہم سے آپ کی جنگ ہوئی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم جواں مرد ہیں۔

قریش کی عسکری صلاحیتوں کے متعلق یہ رائے صرف بنو قینقاع کی نہیں تھی بلکہ عام اہل عرب اس معاملے میں قریش کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے۔ وقد عیرت قریش بانہا لا تحسن القتال[2] یعنی عام طور پر طعنہ دیا جاتا تھا کہ جنگ کرنا قریش کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اتا اذا کان قرشیا فلیس بشئ[3] کہ قریشی ہوتا (فوجی لحاظ سے) کوئی قابل ذکر اور قابل فخر بات نہیں ہے۔

قریش کو دیگر عرب قبائل پر عددی برتری کا دعویٰ تھا جیسا کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ کہا۔

وانتم اکثر الناس عددا وکثرۃ[4]

اے میرے ہم قوم قریشیو تم بلحاظ تعداد تمام قبائل سے برتر ہو۔ اس معاملے میں حقیقت تو بہرحال وہی ہے جو بدر میں عیاں ہو گئی تھی۔ جہاں تمام کے تمام قریشی موجود تھے[5] لیکن ان کی تعداد ۹۵۰ سے زیادہ نہ تھی[6] جنگ سے باہر یا تو ابولہب تھا یا ابوسفیان اور اس کے قافلے کے لوگ جن کی تعداد باختلاف روایات ۳۰ یا ۴۰ تھی[7] اور اگر اس میں ۸۰ کے لگ بھگ ان قریشی مہاجرین کو بھی شامل کر لیا جائے جو آں حضرت کے ساتھ تھے تو قریش کے کل قابل جنگ افراد کی تعداد ۱۱۱۰ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ بایں تعداد قریشی اپنے آپ کو اگر بنو غطفان[9]

---

[1] ابن کثیر، البدایہ جلد۴ ص ۳۔ طبری جلد۲ ص ۴۷۹ [2] جواد علی تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۴ ص ۳۷ [3] ایضاً [4] ابن ہشام جلد۱ ص ۲۰۰ [5] ایضاً جلد۲ ص ۶۲، واقدی جلد۱ ص ۳۲-۳۳
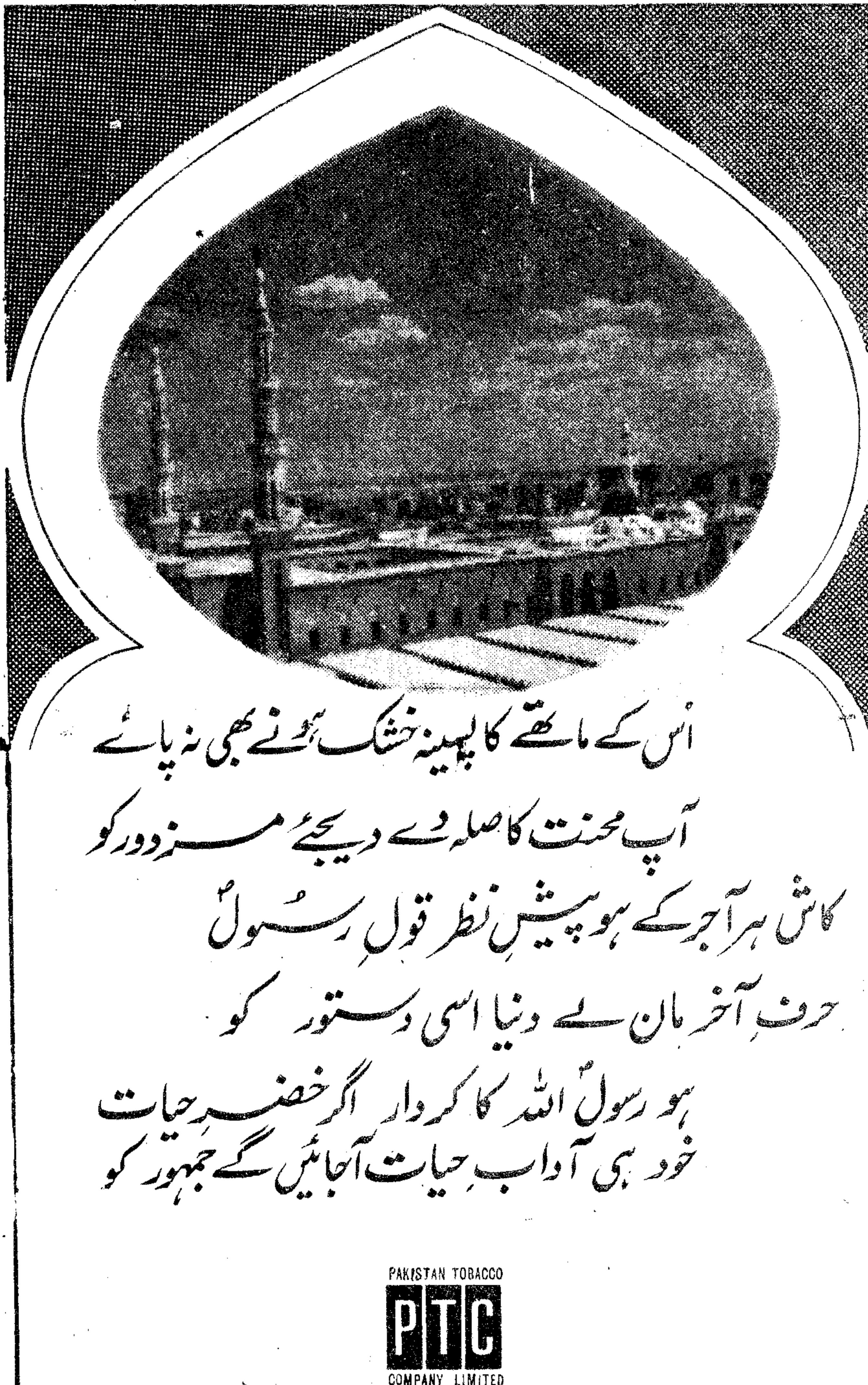
[6] واقدی جلد۱ ص ۳۵۰۔ ابن سعد جلد۲ ص ۱۵۔ [7] ابن الاثیر جلد۲ ص ۰۰ [8] طبری جلد۱ ص ۲۷۲ کے مطابق مہاجرین جو بدر میں آئے ان کی تعداد ۷۷ تھی۔ اور ابن ہشام بتعلیقات محمود سید الطحطاوی (قاہرہ ۱۳۴۶ھ) جلد۲ ص ۲۶ کے مطابق وہ حاضر و غائب مہاجرین جنہیں بدر کے مال غنیمت سے حصہ ملا ان کی تعداد ۸۳ تھی۔ ابن سعد جلد۲ ص ۱۲ کے مطابق بدر میں مہاجرین کی تعداد ۷۴ اور صفحہ ۲۰ کے مطابق ۷۶ تھی [9] بنو غطفان جنگ خیبر کے موقع پر یہود کی حمایت میں چار ہزار سپاہی لے کر آئے تھے۔ واقدی جلد۲ ص ۶۵۰ [10] جنگ خیبر میں آنحضرت کے مقابل فوج کی تعداد دس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ واقدی جلد۲ ص ۶۴۰۔ اگر اس میں سے بنو غطفان کے چار ہزار سپاہی منہا کر دئے جائیں تو یہود خیبر کی تعداد چھ ہزار بنتی ہے۔

یہود خیبر[1] انصار[2] بنو ثقیف اور بنو ہوازن[3] بنو جہینہ[4] بنو مزینہ[5] وغیرہ سے برتر سمجھتے تھے تو یہ ان کا خیال خام تھا[6]

قارئین محترم! ہماری درج بالا گذارشات ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ یقیناً پوچھیں گے کہ اگر قریش دیگر قبائل عرب سے عسکری لحاظ سے اتنے ہی پیچھے تھے تو مقالے کے آغاز میں انہیں عرب کا ایسا نامور قبیلہ (جس کا دیگر قبائل پر بے پایاں اثر و رسوخ تھا) کیوں قرار دیا گیا ہے۔ ہماری نظر میں اس کی وجہ قریش کا حلم، ان کی دانائی۔ ان کی معاشی بالادستی اور کعبۃ اللہ کے پاسبان ہونے کا شرف تھا۔

---

[1] جنگ خیبر میں آنحضرت کے مقابل فوج کی تعداد ۱۰ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ واقدی جلد ۲ ص ۶۴۰۔ اگر اس میں بنو غطفان کے چار ہزار سپاہی منہا کر دیے جائیں تو یہود خیبر کی تعداد چھ ہزار بنتی ہے [2] فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت کے دس ہزار لشکریوں میں سے انصار کی تعداد ۴ ہزار تھی۔ واقدی جلد ۲ ص ۸۰۰ [3] جنگ حنین میں ان کے لشکر کی تعداد مسلم لشکر سے کم و بیش دگنی یعنی ۲۰ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ واقدی جلد ۳ ص ۸۹۳ [4] فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت کے لشکر میں بنو جہینہ کی تعداد ۸۰۰ بیان کی جاتی ہے ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۴۲ [5] مذکورہ بالا لشکر میں بنو مزینہ کی تعداد ۳۰۰۰ بیان کی جاتی ہے طبری ج ۳ ص ۱۱۴ ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۰۳ [6] احد میں قریش کے تین ہزار لشکریوں کی موجودگی سے ہمارے موقف کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ان دونوں جنگوں میں قریش کے ساتھ ان کے احابیش بنو ثقیف۔ بنو غطفان اور یہود بھی موجود تھے جو وقتی ضرورتوں کے تحت یکجا ہو گئے تھے تاہم قریش کی اصل تعداد وہی تھی جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ طبری جلد ۳ ص ۱۰۔ واقدی جلد ۱ ص ۲۰۳

اس کے ماتھے کا پسینہ خشک ہونے بھی نہ پائے
آپ محنت کا صلہ دے دیجئے مزدور کو
کاش ہر آجر کے ہو پیشِ نظر قولِ رسولؐ
حرفِ آخر مان لے دنیا اسی دستور کو
ہو رسولؐ اللہ کا کردار اگر خضرِ حیات
خود ہی آدابِ حیات آجائیں گے جمہور کو
PAKISTAN TOBACCO
PTC
COMPANY LIMITED

مولانا وحید الدین خان

عورت کے بارہ میں

اسلام کی بنیاد دو باتوں پر ہے اللہ کا خوف اور انسانوں کا احترام۔ اس کا حکم دیتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے :-

یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیراً ونساء۔ واللہ الذی تساءلون بہ والارحام۔ ان اللہ کان علیکم رقیباً (النساء)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دئے اور تم اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی۔ بیشک اللہ تمہارے اوپر نگران ہے

اس آیت میں خلق منہا زوجہا (خدا نے اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا) کا مطلب بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور اس کے بعد اس کے جسم سے ان کی ایک پسلی نکال کر ان کی بیوی حوا کو بنایا۔ مگر یہ تشریح نہیں۔ یہ بائبل کی بات ہے نہ قرآن کی بات۔

بائبل میں حضرت حوا کی پیدائش کے بارے میں اسی قسم کی روایت آئی ہے۔ ہم یہاں بائبل کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا۔ اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا۔ اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا۔ اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔ (پیدائش ۲-۲۱-۲۳)

بائبل کی یہی روایت ہے جسے بعد کے کچھ لوگوں نے قرآن کی تفسیر میں داخل کر دیا۔ اور اس کی روشنی میں قرآنی

آیت کی تشریح کرنے لگے مگر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بائبل ایک محرف کتاب ہے اس میں پیغمبروں کے کلام کے ساتھ عام انسانی کلام کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ اس کی روشنی میں قرآنی آیت کی تشریح کرنا درست ہے۔

قرآن کی مذکورہ آیت میں جو لفظ ہے یا کسی بھی دوسری آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حوا کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ قرآن کی مذکورہ آیت میں جو لفظ ہے وہ منہا (اس سے) ہے نہ کہ من ضلع آدم (آدم کی پسلی سے) چنانچہ محقق مفسرین نے منہا سے مراد من جنسہا لیا ہے۔ یعنی نفس واحدہ (آدم) کی جنس سے نہ یہ کہ خود آدم کے اپنے جسم سے۔ ابو مسلم اصفہانی اور بعض دوسرے مفسرین سے یہی قول نقل ہوا ہے اور یہی قرآنی الفاظ کے مطابق ہے۔

القول الثانی ما هو اختیار ابی مسلم الا اصفهانی ان المراد من قوله وخلق منها زوجها ای من جنسها تفسیر کبیر و یحتمل ان یکون المعنی من جنسه لا من نفسه حقیقته۔

منہا کو من جنسہا کے معنی میں لینے کی تائید بعض دوسری آیتوں سے ہوتی ہے۔ قرآن میں نفس کا لفظ بار بار جنس کے معنی میں آیا ہے۔ اس طرح یہ دوسری آیتیں سورۂ نساء کی مذکورہ آیت کی نہایت واضح تشریح کر رہی ہیں۔ یہاں ہم چند آیتیں نقل کرتے ہیں۔

والله جعل لكم من انفسكم ازواجا (النحل ۷۲)	اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں۔
ومن آياته ان خلق لكم من انفسكم ازواجاً لتسكنوا اليها۔ (الروم ۲۱)	اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بیویاں بنائیں تاکہ تم سکون حاصل کرو۔
فاطر السماوات والارض جعل لكم من انفسكم ازواجاً ومن الانعام ازواجاً۔ (الشوریٰ)	وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لئے جوڑے بنائے اور اسی طرح مویشیوں میں سے جوڑے بنائے۔

ان آیتوں پر غور کیجئے ان میں عام مردوں کی ازواج (بیویوں) کے لئے بھی عین وہی لفظ آیا ہے جو سورۂ نساء کی آیت میں حضرت آدم کی زوج (بیوی) کے لئے آیا ہے۔ اس کے مطابق حوا کو جس طرح آدم کے "نفس" سے پیدا کیا گیا۔ اسی طرح دوسرے تمام مردوں کی بابت ارشاد ہوا ہے کہ ان کی بیویوں کو ان کے "انفس"

سے پیدا کیا گیا ہے ۔

ظاہر ہے کہ ان دوسری آیتوں کے یہ معنی نہیں لئے جا سکتے کہ ہر مرد کی بیوی اس کے اپنے جسم کے اندر سے نکالی گئی ہے ۔ یہاں لازمی طور پر اس کو جنس کے معنی میں لینا ہوگا ۔ یعنی یہ کہ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے تمہاری عورتیں بنائیں تاکہ وہ تمہارے لئے حقیقی معنوں میں رفیق زندگی بن سکیں ۔

جس طرح عام آدمیوں کی بیویاں ان کی ہم جنس ہیں نہ کہ حیاتیاتی معنوں میں ان کے جسم کا حصہ ۔ اسی طرح حضرت آدم کی بیوی (حوا) بھی ان کی ہم جنس تھیں ۔ وہ آدم کے جسم کے اندر سے نکالی نہیں گئیں ۔ اللہ نے آدم کی طرح ان کی بیوی کو بھی اپنی قدرت سے پیدا کیا ۔ جس طرح اس نے عام مردوں کی طرح ان کی عورتوں کو اپنی قدرت خاص سے پیدا فرمایا ہے ۔

احادیث : اب ایک سوال ان احادیث کا ہے جو اس سلسلہ میں نقل کی جاتی ہیں اور جن میں صراحتہً ضلع (پسلی) کا لفظ آیا ہے ۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ ان احادیث آدم و حوا کی تخلیق کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ وہ عام عورتوں کے بارے میں ہیں یعنی ان احادیث میں ہر ہر عورت کی تخلیق نوعیت کا ذکر ہے ۔ نہ کہ مخصوص طور پر حضرت حوا کی تخلیقی نوعیت کا ذکر ۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں ۔

استوصوا بالنساء خیرا فانھن — عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۔ کیوں کہ

خلقت من ضلع (التفسیر المظہری) — وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں ۔

اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ عورت واقعی پسلی سے پیدا کی گئی ہے ۔ کیونکہ پورے فقرہ کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں ۔ حدیث کا مدعا عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید کرنا ہے ۔ اس لئے اس کی وہی تشریح درست ہوگی جو اصل مدعا کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے ۔

"عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں" کا فقرہ یہاں مجازی معنوں میں ہے نہ کہ حقیقی معنوں میں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کا معاملہ پسلی جیسا معاملہ ہے ۔ وہ پسلی کی مانند ہیں چنانچہ دوسری روایت میں خود حدیث میں یہ صراحت موجود ہے ۔

ترجمہ ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت پسلی کی مانند ہے اگر تم اس کو سیدھا کروگے تو تم اس کو توڑ دوگے ۔ (بخاری کتاب النکاح ۔ مسلم کتاب الرضاع)

بخاری و مسلم کی اس روایت میں واضح طور پر کالضلع کا لفظ ہے یعنی یہ کہ عورت پسلی کی مانند ہے نہ یہ کہ خود پسلی سے بنائی گئی ہے ۔ پسلی کی مانند ہونے کا مطلب کیا ہے؟ یہ بھی صراحتہً حدیث میں موجود ہے چنانچہ فرمایا کہ اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو تم اس کو توڑ دوگے ۔

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے" اور "عورت پسلی کی مانند ہے" دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ صرف ادبی اسلوب کا فرق ہے۔ نہ کہ حقیقت کا فرق۔ ہر زبان میں یہ اسلوب عام ہے۔ کہ جب تشبیہ میں شدت پیدا کرنا مقصود ہو تو "مثل" کا لفظ حذف کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کی بہادری بتانے کے لئے کبھی کہا جاتا ہے کہ وہ شیر کی طرح ہے اور جب اس بات کو زیادہ زور دے کر کہنا ہو تو کہہ دیتے ہیں کہ "وہ شیر ہے" جیسے میر انیس نے کربلا کے میدان کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے ع

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

عورت کے بارے میں نفسیات اور حیاتیات کا علم بتاتا ہے کہ وہ "صنف نازک" ہے۔ وہ مرد کے مقابلہ میں کمزور اور نازک ہوتی ہے۔ اس کے مزاج میں انفعالیت ہے چنانچہ کسی واقعہ سے وہ بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ہر آدمی جانتا ہے خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ۔ ہر باپ جانتا ہے کہ بیٹے سے سختی کی جا سکتی ہے مگر بیٹی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ شدت کا تحمل نہیں کر سکتی۔ چنانچہ خودکشی کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ خودکشی کرتی ہیں۔ وہ ایک معمولی واقعہ سے متاثر ہو کر خودکشی کر سکتی ہیں یا ذہنی اختلال کا شکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث میں تمثیل کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آدمی کے سینے میں پسلی کی ہڈیاں کس قدر خم دار ہوتی ہیں۔ ان کا خمدار رہنا ہی مصلحت کے مطابق ہے۔ کوئی ڈاکٹر ایسا نہیں کرتا کہ اپریشن کے ذریعہ ان پسلیوں کو سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔

اسی معلوم واقعہ کی مثال دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ ان کی فطرت کے مطابق پیش آؤ۔ عورتوں سے معاملہ کرتے ہوئے ہمیشہ یہ ذہن میں رکھو کہ عورتیں فطری طور پر نازک اور جذباتی ہوتی ہیں۔ اللہ نے مخصوص مصالح کے تحت انہیں بالارادہ ایسا ہی بنایا ہے اس لئے تم ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرو۔ کوئی بات بتانا ہو تو نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بتاؤ اگر تم ان کے ساتھ سختی کرو گے تو ان کی شخصیت اس کا تحمل نہ کر سکے گی۔ ان کا دل اس طرح ٹوٹ جائے گا جس طرح پسلی سیدھا کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار سفر میں تھے کچھ خواتین اونٹ پر بیٹھی ہوئی چل رہی تھیں ساربان نے اونٹ کو تیز چلانا چاہا۔ اونٹ جب تیز چلتا ہے تو مسافر کا جسم کافی ہلنے لگتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساربان کو منع فرمایا رفقاً بالقوارير (شیشہ کے برتنوں کے ساتھ نرمی کرو)۔

<u>جدید تحقیقات</u>| موجودہ زمانہ میں خالص علمی طور پر یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان بنیادی پیدائشی فرق پائے جاتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴ء) میں خواتین کی حالت پر ایک مفصل

مقالہ لکھا ہے۔ اس مقالہ کا ایک ذیلی عنوان یہ ہے ۔

(مرد اور عورت کے فرق کا علمی مطالعہ) مقالہ کے اس حصہ میں مقالہ نگار نے دکھایا ہے کہ جدید تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ عورت اور مرد کے درمیان پیدائشی بناوٹ کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اوصاف شخصیت کے اعتبار سے آدمیوں کے اندر جارحیت اور غلبہ کی خصوصیت زیادہ پائی گئی ہے ان میں حاصل کرنے کا جذبہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں عورتیں سہارا چاہتی ہیں۔ ان کے معاشرہ پسندی کا رجحان زیادہ ہوتا ہے اور ناکامی کی صورت میں مردوں کے مقابلہ میں وہ زیادہ آسانی سے بے ہمت ہو جایا کرتی ہیں۔

اس سلسلہ میں موجودہ زمانہ میں بے شمار تجربات کئے گئے ہیں۔ مثلاً امریکہ میں ایک تجربہ یہ کیا گیا کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی کا انتخاب کیا گیا۔ دونوں کم عمر تھے اور ابھی بولنے کی عمر کو نہیں پہنچے تھے تاہم ان کی جسمانی صحت یکساں تھی۔ دونوں کو الگ الگ کٹہرے میں رکھ کر نکلنے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد لڑکی رونے لگی جب کہ لڑکے نے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار کر اندازہ کرنا شروع کر دیا کہ کیا کسی طرف سے نکلنے کا راستہ ہے۔

اسی طرح ایک اور تجربہ میں پایا گیا کہ ۱۲ ماہ کی لڑکیاں کسی اجنبی کمرہ میں ہوں اور انہیں خوفزدہ کیا جائے تو وہ اپنی ماؤں کی طرف بھاگتی ہیں جب کہ اسی عمر کے لڑکے کچھ کرنے کی راہ تلاش کرتے ہیں۔

نیویارک یونیورسٹی میں ریسرچ کرنے والوں نے دیکھا کہ ایک لڑکی اگر بوتل پینے میں مشغول ہے تو وہ اس وقت پینے سے رک جاتی ہے جب کہ کوئی شخص کمرے میں آتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے برخلاف ایک لڑکا کسی آنے والے پر کوئی دھیان نہیں دیتا وہ اپنا کام بدستور جاری رکھتا ہے۔

ماہرین نے بتایا کہ عورت اور مرد کے تمام فرق ان کے جین کے اندر پائے جاتے ہیں نہ کہ سماجی حالات میں عورتوں کے اندر انفعالیت کا سبب ان کے مخصوص ہارمون ہیں۔ میل ہارمون اور فیمیلی ہارمون میں یہ فرق پیدا کرنے کے لئے بالکل آغاز سے موجود رہتا ہے (ٹائم میگزین نیویارک ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء)

اسلام دین فطرت ہے اس کے تمام احکام فطری حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فطری تقاضوں کو قانونی صورت دینے کا دوسرا نام شریعت ہے۔ عورت کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بھی اسی بنیادی اصول پر مبنی ہیں۔ نفسیات اور حیاتیات اور عضویات میں موجودہ زمانہ میں جو تحقیقات ہوئی ہیں وہ ثابت کرتی ہیں کہ مرد کے مقابلہ میں عورتیں فطری طور پر منفعل مزاج ہوتی ہیں۔ مخصوص معاشرتی مصالح کی بنا پر خالق نے ان کو نسبتاً نازک پیدا کیا ہے۔

یہی وہ فطری حقیقت ہے جس کی رعایت اسلامی تعلیمات میں رکھی گئی ہے۔ اس بنا پر اسلامی شریعت میں یہ حکم دیا گیا ہے۔ عورتوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو تاکہ وہ بے حوصلہ نہ ہوں۔ تاکہ وہ دل شکنی سے محفوظ رہیں۔ اور زندگی میں اپنے مخصوص فرائض کو بخوبی طور پر ادا کر سکیں۔ عورتیں لوہے کی مانند ہیں کہ ان پر ٹھونک پیٹ کا کوئی اثر نہ پڑے۔ وہ پسلی کی مانند ہیں۔ وہ فطرۃً جیسی ہیں ویسے ہی انہیں رہنے دو۔ اگر تم ان کے ساتھ لوہے جیسا برتاؤ کروگے۔ تو تم ان کی شخصیت کو توڑ دوگے۔

خلاصہ | سورہ نساء کی آیت (خلق منہا زوجہا) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جس جنس سے آدم کو بنایا اسی جنس سے اس نے آدم کے جوڑے (حوا) کو بھی بنایا تاکہ دونوں میں موافقت رہے اگر ایسا ہوتا کہ دونوں دو الگ الگ جنس ہوتے۔ مثلاً ایک آگ سے بنایا جاتا اور دوسرا مٹی سے، تو دونوں کے درمیان باہمی توافق نہ ہوتا۔ پھر نہ خاندانی زندگی میں سکون پایا جاتا اور نہ یہ ممکن ہوتا کہ دونوں مل کر مشترکہ جدوجہد سے تمدن کی تعمیر کریں۔

حدیث (ضلع) میں عورتوں کے بارے میں جو ارشاد ہوا ہے اس کا مقصد تمثیل کی زبان میں یہ بتانا ہے کہ عورتوں کی مخصوص فطری ساخت کی بنا پر ضروری ہے۔ کہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے باربار مختلف انداز سے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ خود اپنی پوری زندگی میں اس کا مکمل اہتمام کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں رات کی نمازوں میں شریک ہوتی تھیں۔ بعض اوقات ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بچے بھی ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ نماز کی اقامت کا بہت خاص اہتمام فرماتے تھے۔ لیکن خواتین کے ساتھ آپ کی رعایت کا یہ حال تھا کہ نماز میں اگر کبھی چھوٹے بچے کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز کو جلد ختم کردیتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

انی لاقوم فی الصلوٰۃ ارید ان اطول فیہا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلاتی کراہیۃ ان اشق علی امہ۔

میں مسجد میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں، یہ چاہتا ہوں کہ اس کو لمبا کروں۔ پھر میں بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں۔ تو میں اپنی نماز کو مختصر کردیتا ہوں۔ اس اندیشہ کی بنا پر کہ میں اس کی ماں کو تکلیف دوں گا۔

(بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

شاہ بلیغ الدین ۔ کراچی

اللہ اللہ

ڈاکٹر آپریشن کے لئے تیار تھا اور مریض میز پر لیٹا ہوا تھا۔ مریض کے پیر میں ایک ایسا زہریلا ناسور تھا کہ اس کا پیر ٹخنوں سے کاٹ دینا ضروری تھا۔ ڈاکٹر نے خوب اچھی طرح دیکھ بھال کے اپنی ماہرانہ رائے دی۔ مریض نے جواب دیا ـــــ بسم اللہ! پیر کاٹ دیجئے! ڈاکٹر نے آپریشن کی تیاری شروع کی تو مریض سے کہا کہ ـــــ یہ پیالہ میں نے آپ کے لئے منگوایا ہے اسے پی لیجئے! مریض نے پوچھا ـــــ اس پیالے میں کیا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا ـــــ نشہ آور عرق ہے۔ اس کے پینے سے آپ کو جراحی تکلیف نہ ہوگی۔

وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے لکھا ہے کہ مریض نے کہا ـــــ آپریشن کے بعد زندہ رہوں گا یا مر جاؤں گا کچھ نہیں معلوم۔ اگر بچ جانے کا سو فیصد یقین بھی ہوتا تب بھی میں اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز ہرگز نہ پیتا۔

شراب حرام ہونے کے احکام مدنی زندگی میں آئے۔ اسلام شروع ہونے کے کوئی اٹھارہ انیس برس بعد۔ قرآن مجید نے اسے خمر کہا ہے ـــــ خمر کا مطلب ہے وہ جو عقل کو ڈھانک دے اور اس میں خلل پڑ جائے۔ ہر چیز جس سے نشہ پیدا ہو وہ خمر ہے۔ اس میں شراب، افیون، گانجہ، چرس، بھنگ، ہیروئن وغیرہ سب ہی شامل ہیں اسلام نے ابتدا ہی سے اسے برا اور قابلِ نفرت ٹھہرایا۔ چنانچہ سورۂ نحل میں ذکر ہے کہ۔
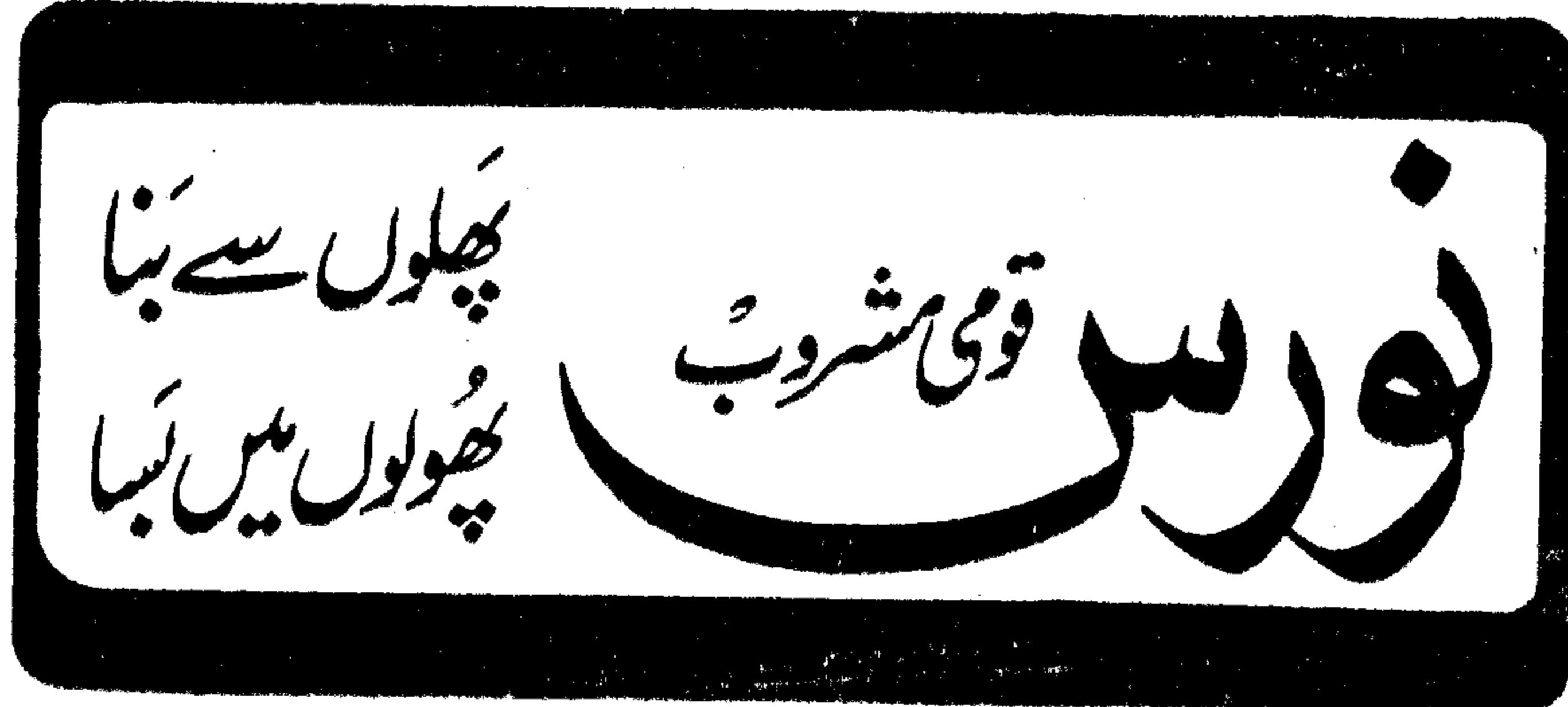
کھجور اور انگور وہ پھل ہیں جو بطور نعمت عطا ہوتے ہیں یہ پاک خوراک ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہے۔ اور تم اس سے نشہ لانے والی چیز بنا لیتے ہو۔ یہ آیت مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ خیال ہے کہ حبشہ کی ہجرت کے آس پاس اس کا اظہار ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو نشہ ناپسند ہے۔ مدنی زندگی میں سورہ بقرہ سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں بتایا گیا کہ جوئے اور شراب میں بڑا گناہ ہے ان کے فائدے ہیں لیکن کم۔ نقصانات بہت ہیں۔ آخری حکم آیا کہ ـــــ ان سے بچو! حضور اکرمؐ نے فرمایا ـــــ یہ مطلق حرام ہیں۔

حضرت عروہ بن زبیر نے اپنے ڈاکٹر سے جو پاؤں کاٹنے کھڑا تھا کہہ دیا کہ ـــــ تکلیف سے بچنے کے لئے شراب پینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر ڈاکٹر نے کہا ـــــ پھر آپ بیہوشی کی کوئی اور دوا پی لیجئے!

جواب ملا کہ — میرا پیر کٹتا ہے تو مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے دو۔

دوستوں نے دیکھا کہ یہ مانتے نہیں تو بولے — ٹھیک ہے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ آپریشن کے دوران میں یہیں رہیں گے — پوچھا — کس لئے؟ انہوں نے کہا۔ ہم تمہیں سنبھالنے کے لئے یہاں رہیں گے۔ شدید تکلیف میں صبر بہت مشکل ہوتا ہے۔ فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو گئے۔ ڈاکٹر نے پیر کاٹ دیا۔ لیکن اف نہ کی۔ اللہ اللہ کہتے رہے۔ البتہ خون بند کرنے کے لئے زخم کا حصہ داغا گیا تو بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو چہرے سے پسینہ صاف کیا۔ اپنا کٹا ہوا پیر منگا کر دیکھا۔ بے اختیار زبان سے نکلا — اے پیر! اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا، وہ خوب جانتا ہے کہ میں نے تجھے کسی حرام راستے پر نہیں چلایا۔

حضرت عروۃ حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے آخری حصے میں پیدا ہوئے۔ اور ۹۴ ہجری میں وفات پائی۔ مدینے میں سات مشہور فقہا میں ان کا شمار تھا۔ بڑے فیاض اور بڑے عابد و زاہد تھے۔ مزاج میں بڑی نفاست تھی۔ اور بہتر سے بہتر پوشاک پہنتے تھے۔

پیر کٹنے سے کچھ پہلے عبدالملک سے ملنے گئے تھے۔ ساتھ صاحبزادے بھی تھے جن کا نام محمد تھا۔ باپ بیٹے عبدالملک کے گھوڑے دیکھ رہے تھے۔ بیٹے نے ایک گھوڑے پر سواری کی۔ وہ ایسا شہ زور نکلا کہ اس نے انہیں بری طرح پٹک دیا اور وہ وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس سانحے کے کچھ ہی دنوں بعد ابھی وہ شام ہی کے علاقے میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ ان کے اپنے پیر کا زخم بگڑا اور جراح نے پیر کاٹ دیا۔

ابن جوزی لکھا ہے کہ دعا کرتے اور فرماتے — خداوندا تیرا شکر ہے کہ چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی کو لیا اور تین صحیح سلامت رکھے۔ چار لڑکوں میں سے ایک کو اٹھا لیا۔ اور تین میرے لخت جگر چھوڑ دئے۔ تو نے اے اللہ تھوڑا لیا اور بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ تیرا شکر کس منہ سے ادا کروں!

افکار و تاثرات

شریعت بل اور ممبران سینٹ و قومی اسمبلی کی ذمہ داریاں | محترم ممبران صاحبان سینٹ اور قومی اسمبلی پاکستان۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ذمہ داریوں کی صحیح طریقہ سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ السلام علیکم ورحمت اللہ!

عنقریب سینٹ اور پھر قومی اسمبلی میں شریعت بل بحث کے لیے آپ کے سامنے پیش ہوگا۔ یہ بات اگرچہ بجائے خود ملت پاکستانیہ کی ایمانی جان کنی کے مترادف ہے کہ وہ مسلمان ہوکر شریعت بل کو زیر بحث لائیں۔ تاہم بعض فیشن پرست صاحبان کو خوش کرنے کے لئے ملت اسلامیہ پاکستانیہ کو اس آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کئی بلوں پر آپ نے بحث کی ہوگی کئی بل منظور اور کئی نامنظور کئے ہوں گے۔

اس بل کی اہمیت | لیکن شریعت بل کا معاملہ مذہبی اور ایمانی لحاظ سے بڑا ہی اہم ہے۔ اس کے نتائج نہایت دور رس ہوں گے اس کے نیک اور بُرے اثرات نہ صرف اس دنیا میں بلکہ قبر و حشر اور عالم آخرت میں بھی آپ کو محسوس کرنے ہوں گے۔ اس لئے شریعت بل کے سلسلہ میں آپ کو مکمل حزم و احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا یہ ملفوظ گرامی شریعت بل پر بحث کے دوران ضرور بالضرور آپ کے پیش نظر رہنا چاہئے۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک جلسہ میں سیرت النبی کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"صاحبان آج کا موضوع نہایت مشکل ہے سیاسی تقریر ہوتی کوئی ایک آدھ جملہ ادھر اُدھر ہو جاتا تو چند ماہ یا چند سال قید کی بات بخاری کے لئے آسان ہے۔ لیکن سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق کسی حرف کی کمی بیشی کی سزا دوزخ اور جہنم ہے جس میں بخاری کی تاب نہیں۔" (ممبران صاحبان شریعت رسولؐ کی بات بھی سیرت رسولؐ سے مختلف نہیں ہے۔)

جہانگیر تاجدار دہلی کا ایک مقولہ بھی اس موقعہ پر آپ کے دل پر نقش ہونا چاہئے۔ کہ انہوں نے اپنی محبوبہ بیوی سے جب کہ اس نے مذہبی معاملہ میں بادشاہ اسلام سے محبوبانہ شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا "جاناں جاں

بتو دادیم نہ کہ ایمان - اے محبوب! ہم نے جان تمہارے اوپر قربان کی ہے نہ کہ ایمان۔

آپ کو شریعت بل کے سلسلہ میں اپنے اُن بڑوں کو جو الحاد و دہریت سے متاثر ہوں صاف کہہ دینا چاہئے کہ آپ کی لیڈری سر آنکھوں پر لیکن

جاں بتو دادیم نہ کہ ایمان

بہرحال خدا کے لئے شریعت بل کے معاملہ میں ایمان کا سودا نہ کریں ورنہ دنیا و آخرت میں آپ کو پچھتانا پڑے گا

یہ بھی یاد رہے کہ خدانخواستہ کسی بے دین کے رعب میں آکر یا دنیا اور عہدہ کے لالچ میں جو لوگ شریعت بل کی مخالفت کریں گے تو انہیں یاد رہے کہ ملک میں ابھی تک علماء حق زندہ ہیں ہر مسلک کے معتمد علماء اور مستند مفتیان کرام کو اس پر سوچنا پڑے گا کہ شریعت بل کی اس کھلی مخالفت کے بعد یہ ممبر مسلمان باقی رہا یا قرآن و سنت کی روشنی میں اب اس کا شمار کسی اور زمرہ میں آگیا۔

اسمبلی میں آواز | اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اسمبلی کے کسی گوشہ سے یہ آواز بھی اٹھے کہ جس شخص کو ملک اور حلقہ کے مسلمانوں نے مسلمان سمجھ کر اپنا نمائندہ منتخب کیا ہے کیا شریعت کی اس کھلی مخالفت کے بعد وہ موجودہ قانون کی رو سے بھی اسمبلی کا ممبر باقی رہا یا اس کی ممبری خود بخود ختم ہو گئی۔

دردمندانہ اپیل | اس لئے آپ سے ہماری دردمندانہ اپیل یہی ہے کہ اس بل پر رائے دیتے وقت خوب محتاط رہیں اور اپنی ممبری کے ساتھ ساتھ اپنے ایمان کا بھی خیال رکھیں۔

علماء حق کا اتحاد یا خدائی اتمام حجت | بعض اوقات علماء دین کے لفظی یا ظاہری اختلاف کو بہانہ بنا کر بعض لوگ دینی حکم سے لاپرواہی کر جاتے ہیں مگر شریعت بل کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت فرما کر ہر خیال کے جید اور معتمد علماء کو اس پر متفق فرما دیا ہے کہ اس بل کی حمایت ہر مسلمان کا ایمانی فریضہ ہے اور اس کی مخالفت دین اسلام اور نظریۂ پاکستان سے انحراف اور ملک و ملت سے دشمنی کے مترادف ہے۔ بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔

اکابر علماء کراچی کا ارشاد | بہرحال یہ شریعت بل موجودہ صورت حال میں اہل ملک کے ایمان و نفاق کے پرکھنے کی کسوٹی بن گیا — اس بل کی حمایت نہ کرنا خدا تعالیٰ اور رسول سے غداری کے مترادف ہے۔

(ماہنامہ بینات کراچی بابت اپریل ۱۹۸۶ء)

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب لاہور | میں اگرچہ اس جبری حکومت اور اس کے گورکھ دھندوں کے بہت خلاف ہوں مگر بحیثیت اس ملک کے عالم کہلانے والے ایک فرد کے اپنا یہ فرض ادا کر رہا ہوں کہ اسے (شریعت بل) مشتہر کرنے کا طریقہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسے کسی مسلمان سے دریافت کیا جائے کہ وہ دین اسلام پر راضی ہے یا نہیں معاذ اللہ اور یہ فعل کفر ہے۔ صدر ضیاء اس کی (اس بل کی) بے حرمتی کے

گناہ میں شریک ہیں انہیں توبہ و استغفار کر کے بلا تامل اسے پاس کرانا چاہیئے۔ یہ ان کا مذہبی فریضہ ہے وہ خدا تعالیٰ کے یہاں جوابدہ ہوں گے۔ (بینات شمارہ بالا)

حضرت مولانا کے اس ذمہ دارانہ بیان سے معلوم ہو گیا کہ سینٹ اور قومی اسمبلی کے ممبران اور عامۃ المسلمین کا مذہبی فریضہ اس بل کے سلسلہ میں کیا ہے۔

شیخ المشائخ حضرت مولانا خان محمد صاحب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے مکتوب گرامی | بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم امیر شریعت گروپ میں بھی وضاحت کے ساتھ تصریح فرمائی گئی ہے کہ ہر قسم کے سیاسی اختلافات سے بالاتر رہ کر شریعت بل کے لئے آپ کام کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

امام العلماء حضرت مرشد درخواستی دامت برکاتہم کے زیر قیادت ملک کے طول و عرض میں شریعت کانفرنسیں منعقد ہونا اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے دست حق پرست پر سرحد کے ہزاروں علماء کا بیعت کرنا شریعت بل کو پاس کرانے کے لئے ہم کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ محتاج حوالہ نہیں ہیں واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

ہم ہیں آپ کے خیر خواہ خدام تحریک شریعت بل ئے نفاذ فقہ حنفی بذریعہ قاضی عبدالکریم فاضل دیوبند مہتمم نجم المدارس و خطیب جامع مسجد کلاچی سرحد۔

جہاد افغانستان کی تازہ رپورٹ | مولانا محمد حلیم فاضل حقانیہ نے جہاد افغانستان کو جاتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے اجازت اور دعا حاصل کی۔ آپ نے انہیں اجازت دی اور جہاد افغانستان کے مرکزی رہنما اور عظیم کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی (فاضل دارالعلوم حقانیہ) کے نام دریافت حال کے لئے مکتوب بھی لکھا موصوف نے ۲۳ اپریل ۸۶ء اس کا جواب ارسال فرمایا۔ ذیل میں اس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے جو جہاد افغانستان کی ایک تازہ رپورٹ ہے۔

جناب عالی قدر استاذ المکرم حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کی صحت اور عافیت کے لئے خداوند ذوالجلال کی درگاہ میں دست بدعا ہوں۔ ہم اب تک خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحت مند اور تندرست ہیں۔ آپ محترم کا گراں قدر مکتوب موصول ہوا اور وہ مدد اور خصوصی نصرت جو نقدی کی صورت میں آپ نے مجاہدین کے لئے اور کچھ میری ذات کے لئے بھیجی تھی وہ بھی موصول ہوئی۔ ہمارے مرکز ژورہ پر ۴ اپریل ۸۶ء کو ملحد حکومت نے حملہ کیا تھا۔ زمینی فوج ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ اتاری گئی تھی مگر الحمد للہ کہ مجاہدین ثابت قدم رہے۔ ۲۰۰ فوجی اور ان کے امراء و کمانڈر

مجاہدین کے ہاتھوں مردار ہو کر جہنم رسید ہوئے۔ اور بعض زندہ پکڑے گئے۔ یہ پہلے روز کے حملہ کی رپورٹ ہے ۴۲۰ ہیں ۷۰ زندہ ہیں جن میں ۳۲، ان کے بڑے افسر اور بڑے درجے کے فوجی ہیں جو اب تک مجاہدین کے ہاتھوں میں قیدیوں کی حیثیت سے محفوظ ہیں۔

۱۰ اپریل سخت بمباری ہوئی۔ اس روز میں بھی قدرے زخمی ہوا مگر خدا کا فضل ہے کہ اب تک صحت مند ہوں جنگ اس وقت تک جاری ہے ملحدین کو مجاہدین نے جو نقصان پہنچایا ہے وہ یہ ہے کہ ۸۰۰ افراد ان کے مارے گئے ہیں ان کے تمام مرنے والوں اور زخمیوں کی تعداد ۱۴۰۰ ہے چھوٹا بڑا اسلحہ جس میں توپیں، کلاشنکوف بندوقیں وغیرہ ہیں ان سے پکڑا گیا ہے جس کی مجموعی تعداد ۲۰۰ بنتی ہے یہ بھی ہمارے قبضہ میں ہے۔

میرے گروپ سے تعلق رکھنے والے مجاہدین جو شہید ہوئے ۸۲ ہیں اور ۲۵۰ مجاہدین زخمی ہوئے ہیں۔

آج کے روز یعنی ۲۲ اپریل کو مجاہدین کے مرکز سے ملحد حکومت کی فوجیں بحمد اللہ شکست کھا کر پیچھے کو ہٹ رہی ہیں۔ آپ تشویش نہ کریں ہم تو آپ کی دعاؤں پر زندہ ہیں اور آپ کی دعا چاہتے ہیں ومن اللہ التوفیق۔

(نوٹ) چار ہیلی کاپٹر، گیارہ جیٹ طیارے بھی ہم نے دشمن کے مار گرائے ہیں۔ ہم نے دشمن کے تین پائلٹ بھی زندہ گرفتار کر لئے ہیں جو ہمارے قبضہ میں ہیں۔ والسلام

آپ کا شاگرد و محتاج دعا جلال الدین حقانی بقلم خود۔ ۲۳ اپریل ۱۹۸۶ء

مکتوب مصر | مولانا مفتی غلام الرحمٰن فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ تین ماہ کے تربیتی کورس پر جامعہ ازہر مصر تشریف لے جا چکے ہیں۔ حال ہی میں ان کا تازہ مکتوب گرامی موصول ہوا ہے۔

جدید عربی کے سمجھنے میں دقت کے چند اسباب | قاہرہ ایرپورٹ پر اترتے ہی یہ آیت جلی حروف میں لکھی ہوئی نظر آئی۔ "اُدخلوا المصر اِن شاء اللہ اٰمنین"

آیت پڑھتے ہی اطمینان ہوا کہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو کر مامون رہیں گے۔ ماشاء اللہ مصری لوگ اقتباسات کے بڑے ماہر ہیں۔ لیکن بیرونی ممالک کے مسافروں کے احاطہ میں داخل ہوئے اور پہلی مرتبہ ایک سپاہی سے قبلہ کا رخ پوچھا تاکہ نماز ظہر ادا کروں تو کافی دیر تک اس کے جواب کو نہ سمجھ سکا۔ دل میں سوچا کہ پڑھا تو یہ ہے کہ مصر عربی ملک ہے اور یہاں رسمی زبان عربی ہے لیکن معلوم نہیں کہ یہ سپاہی کونسی زبان بول رہا ہے۔ عام سپاہی چونکہ علم سے کورے ہوتے ہیں اس لئے ان کی زبان بھی عامی لغت ہوتی ہے۔ دل کا اطمینان آہستہ آہستہ خوف میں تبدیل ہونا شروع ہوا اور یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر مصر کے عوام و خواص کی گفتگو یوں ہو تو اس قلیل وقت میں ہم کیا سمجھیں گے۔ یہ تو اس سے بھی شاق ہے کہ کسی ناواقف کو جو دقت محسوس ہوتی ہے۔ بد قسمتی سے مغربی تہذیب نے جیسا کہ مسلمانوں کی ذہانت معیشت اور اعتقادیات کو متاثر کیا۔ اکل و شرب اور لباس بھی اس تاثیر سے محفوظ نہ رہا۔ ایسا ہی عربوں کی وہ

معصوم اور فصیح عربی زبان بھی اس تبدیلی کا شکار ہوگئی۔

دو ہفتے رہنے کے بعد اتنا معلوم ہوا کہ موجودہ وقت کی عربی زبان قدیم عربی سے اس قدر مختلف ہے کہ ہمارے ملک کا بڑے سے بڑا عالم خواہ شیخ الادب ہی کیوں نہ ہو اگر مصر کا سفر کرے تو اس کو یہاں کی زبان سمجھنے میں وہی دقت اور تکلیف محسوس ہوگی جو ایک عامی آدمی کو ہو سکتی ہے۔ زبان کے اس اختلاف کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں۔ لیکن سب سے اہم سبب عربی اور فرانسیسی زبان کا تداخل ہے۔ فصیح لغت ہونے کے باوجود فرانسیسی اور انگریزی زبان کے بے شمار الفاظ جدید عربی کے اجزا بن گئے ہیں۔ جب تک کسی شخص کو اصلی زبان میں ان کی کیفیت اور پھر اس سے تعریب ہونے کا علم نہ ہو تو ویسے سمجھنا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ مرور زمانہ سے ایسے طریق اختیار کئے گئے جس سے زبان پر کافی اثر پڑا۔ چند اسباب مندرجہ ذیل ہیں:۔

اختصار پسندی | بہت سے الفاظ اور کلمات ان لوگوں نے اس قدر مختصر کئے کہ جب تک کسی اہل لسان سے نہ پوچھا جائے تو اس وقت سمجھنا مشکل ہے۔ مثلاً کسی وقت اگر استفہام کے لئے ضرورت پڑے تو فصیح زبان میں " أيّ شيءٍ " استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن جدید زبان میں اسے مختصر کر کے صرف " شو " پڑھا جاتا ہے کسی شخص سے استفہاماً یہ پوچھنا ہو کہ أيّ شيءٍ فعلتَ ؟

تو جدید زبان میں اس کی جگہ یوں کہا جائے گا " شو فعلتَ "

اور یا ایک دوسری مثال سمجھیں کہ اگر کسی وقت کسی شخص سے یہ کہنا مقصود ہو کہ تمہیں کوئی حرج نہیں یا مضائقہ نہیں تو لغت فصیح میں یوں کہنا ہوگا " ما عليك شيءٌ " لیکن جدید لغت میں اسے یوں بنا دیا گیا ہے " ما عليش "

اور ایسا ہی " بلا شيءٍ " پر یہ لوگ " بلش " سے تلفظ کرتے ہیں۔

حروف کی تبدیلی | دقت کا دوسرا سبب حروف کی تبدیلی ہے حروف پر تلفظ نہایت خراب ہوگیا۔ اگرچہ [اخبا]رات اور رسائل میں یہ لوگ ٹھیک لکھتے ہیں۔ لیکن تلفظ کرتے وقت تبدیل حرف بحرف کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اگر [کہ]ا جائے تو یقیناً درست رہے گا کہ عربی کی وہ خصوصیات مٹ گئی ہیں جس کی وجہ سے عربی دوسری زبانوں [سے مم]تاز تھی۔ ثاء کی جگہ عموماً تاء پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے " ثلاجہ " کو " تلاجہ " اور " کثیر " کو " کتیر " [پڑھتے] ہیں۔ اور ایسا ہی " ج " کو " گ " سے تبدیل کرتے ہیں عام لوگ تو درکنار بلکہ اچھے علماء اور مشائخ بھی [ع]امیہ کے عادی ہو کر فصیح عربی بولنے سے قاصر ہیں۔ ہمارے اکثر محاضر (استاد) جب محاضرہ کے لئے آتے ہیں تو پڑھتے [وقت] " ج " کی جگہ " گ " پڑھتے ہیں۔ ایک محاضر ایک دن جب اس آیت کو پڑھنے لگا۔ " إنّ علينا جمعه وقرآنه " تو [جمعہ] کی جگہ " گمعہ " پڑھ گیا۔ " من الجنّة والنّاس " کو " من الگنّة والناس " پڑھتے ہیں۔

خود ساختہ الفاظ کی ایجاد تیسرا سبب یہ ہے کہ بعض الفاظ یہ لوگ اپنی طرف سے بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ جن کا اصل لغت سے بعید کا تعلق بھی نہیں ہوتا ہے ان الفاظ کا سمجھنا بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ مثلاً ہم اگر کسی سے پوچھیں "کیف حالک" تو اس کو اگرچہ یہ لوگ سمجھتے ہیں لیکن خود اس پر عموماً تلفظ نہیں کرتے بلکہ بجائے اس کے یوں کہتے ہیں "زیک"۔ ایسا ہی پانی کے لئے عام لفظ "الماء" جو مستعمل ہے اس کی جگہ "المویہ" کہتے ہیں۔

ایسا ہی اگر ہم یوں کہہ دیں کہ "داخل ہو جاؤ" تو اس کے لئے عربی میں "ادخل" کا لفظ موجود ہے لیکن یہ لوگ بجائے اس کے "خُش" استعمال کرتے ہیں۔

"پانی دیکھو" عربی میں الگ کلمہ موجود ہے لیکن یہ لوگ عموماً یوں کہتے ہیں۔ "شف الماء" قلّت کے معنی کے لئے خود قلیل کا لفظ موجود ہے۔ لیکن یہ لوگ بجائے قلیل کے "شُوَیہ" کہتے رہتے ہیں۔

یہ سمجھنے کے لئے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اہل لسان ہونے کی وجہ سے یہ لوگ تیزی سے تلفظ کرتے ہیں جس سے مخاطب کو اچھی طرح ادراک سے قاصر رہنے کی وجہ سے پوری مراد سمجھ میں نہیں آتی:

حافظ غلام الرحمن حقانی۔ حال جامعہ ازہر مصر

حقائق السنن شرح — جامع السنن للترمذی

پر

اکابر علماء اور ماہر اساتذہ حدیث کے تبصرے و آراء

- ★ حضرت مولانا مفتی ولی حسن۔ کراچی
- ★ حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر۔ گوجرانوالہ
- ★ حضرت مولانا محمد حسن جان۔ پشاور
- ★ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی۔ اٹک
- ★ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم۔ کلاچی

محدث کبیر استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے تقریرات و امالیٔ ترمذی کی جلد اول گذشتہ سال حقائق السنن کے نام سے منظرِ عام پر آگئی ہے۔ ملک بھر کے رسالوں، علمی جرائد، ماہناموں، ہفت روزوں اور روزناموں وغیرہ میں اس پر گراں قدر تبصرے آچکے ہیں۔ مرکز علم دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ ترجمان "دارالعلوم" نے اس پر مستقل اداریہ تحریر فرمایا۔ عالمِ اسلام کے عظیم سکالر اور مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جلد اول کے لئے بطور مقدمہ ایک گراں قدر تحریر ارسال فرمائی۔

ملک بھر سے مشائخ، اکابر علماء، اساتذہ حدیث اور فضلائے کرام کے گراں قدر آراء، تقریظات اور تبصروں پر مشتمل خطوط بھی موصول ہوتے رہتے ہیں۔ ذیل میں مشائخ، اکابر علماء اور ماہر اساتذہ حدیث کے گراں قدر مکاتیب کے بعض مقتبس حصے افادۂ عام کی غرض سے نذرِ قارئین ہیں۔

حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب کراچی | حضرۃ الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب انفع[1] شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے امالیٔ جامع ترمذی کے ایک حصہ کو تبرک کے طور پر دیکھا۔ استاذی المحترم مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی تقریر ترمذی میں اپنے استاذ مکرم (شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی) کا رنگ ہے۔ اس کی اشاعت سے حضرت مدنی کے خصوصیات درس علماء اور طلباء کے سامنے آجائیں گے

---

[1] شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی دارالعلوم دیوبند میں مولانا عبدالحق نافع مرحوم سے امتیاز کے لیے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا تذکرہ انفع کے ساتھ فرمایا کرتے۔

اور حضرت مدنی کے مآثر علمیہ میں ایک وقیع اضافہ ہوگا۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر گوجرانوالہ علماء اور طلباء کی سہولت کے لئے اردو میں بھی جامع ترمذی کی شرح وقت کی اہم ضرورت تھی اور ہے اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ان حضرات خصوصاً حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دام مجدہم اور حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی دام مجدہم کو جنہوں نے کہنہ مشق استاذ اور اپنے دور کے بہترین معلم اور نمونۂ سلف شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کی تقریر ترمذی کو مرتب کرکے مزید حواشی سے مزین کرکے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ممدوح کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ اور جملہ معاونین اور مرتبین کو نیک صلہ مرحمت فرمائے اور طلبۂ علم کے لئے اسے روشنی کا مینار بنائے۔ اور اس سے استفادہ کرنے کا موقعہ بخشے۔

احقر الناس ابوالزاہد محمد سرفراز صفدر

حضرت مولانا محمد حسن جان پشاور اور اب ہمارے اس نئے دور میں استاذ العلماء والفضلاء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم مہتمم و بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی شرح ترمذی دنیائے اسلام میں عربی کے بعد سب سے زیادہ فصیح اور مفید اور دوسرے نمبر پر استعمال ہونے والی زبان اردو میں منظرِ عام پر جلوہ نما ہو چکی ہے۔ اس شرح کی افادیت و اہمیت موضوع کتاب "حدیث" اور مصنف (صاحب امالی) کے تبحر علمی سے آشکارا ہے۔ یہ شرح حقیقت میں حضرت موصوف کے ترمذی شریف پر خطابات اور دروس کا مجموعہ ہے جسے آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سمیع الحق کی نگرانی اور معاونت میں آپکے لائق اور قابل شاگرد اور دارالعلوم حقانیہ کے استاد مولانا عبدالقیوم حقانی بڑی محنت اور کاوش سے تحقیق و تعلیق اور مفید حواشی کے اضافوں کے ساتھ مرتب کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ پاک و ہند کے علاوہ عالم اسلام کے ان ممتاز علمی شان والوں میں ہیں جو اپنی علمی خدمات اور فیوضات اور اہم اسلامی اقدار و تعلیمات کے احیاء اور انجام دینے میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی یہ مبارک شرح تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور علماء کرام اور طلبہ کے لئے خصوصاً ذریعہ رشد و ہدایت اور باعثِ استفادہ بنادے۔ اور حضرت مدظلہ کے لئے باقیات صالحات اور وسیلۂ رفع درجات بنادے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی اٹک شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کو جو ترمذی کی تدریس اور تشریح میں منفرد مقام حاصل تھا اس پر آج تک کوئی شاگرد شاید اس لئے کام نہ کرسکا کہ یہ کام مشکل نہیں مشکل ترین تھا۔ اور حضرت مدنی کے ہزارہا شاگردوں کے ذمے یہ قرض باقی تھا جس کا

اتارنا ضروری اور سب کا فرض تھا۔ الحمد للہ ۔

چو خدا خواہد کہ کارے را کند
خود بخود اسباب را جنبش دہد

اس عظیم قرض کو اتارنے کے لئے حضرت مدنی کے تلمیذ رشید محدث کبیر استاد العلماء حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم و فضلہم کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے باوجود مسلسل علالت، عدیم الفرصتی اور دیگر کئی موانع کے باوجود اس اہم کی طرف توجہ فرما کر جامع السنن للترمذی کی شرح بنام حقائق السنن کے مرتب کرانے کی سرپرستی قبول فرمائی چنانچہ ان کی پیرانہ سالی کی جواں ہمتی سے حقائق السنن جلد اول صوری اور معنوی زینت سے مرصع ہو کر شائع ہو گئی ہے۔ یہ جلد تقطیع کلاں کے ۳۶۰ صفحات پر مشتمل ہے مگر توضیح اور تشریح کا یہ حال ہے کہ ابھی صرف باب التیمم تک ہی معارف قلم بند کئے گئے ہیں۔

تاریخی کارنامہ کے عالی قدر نگران و معاون مدیر الحق مولانا سمیع الحق دام مجدہم اور عالی مرتبت و مؤلف مولانا عبدالقیوم حقانی زید مجدہ کا امت پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس کتاب کو اردو زبان میں مرتب فرمایا ہے۔ جس سے کم از کم برصغیر کے علماء اور طلباء کے علاوہ خلوص نیت کے ساتھ ارشادات سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے والے سعادت مند فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی | جامع ترمذی شریف جو صحاح ستہ کی ایک اہم اور مشہور کتاب ہے اس کی اردو شرح حقائق السنن بھی اسی سلسلہ خدمت و اشاعت اور تشریح حدیث کی ایک زرین کڑی ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند حال مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، عصر حاضر کے عظیم محدث، اس دور کے بہت بڑے متقی اور اس زمانہ کے نہایت قابل محقق اور شفیق استاد ہیں۔ آپ کی علمی تحقیقات اور محدثانہ شذرات کو نئی نسل کے لئے محفوظ کر دینا وقت کی اہم ضرورت تھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔ ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب استاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ اور عزیز محترم جناب مولانا عبدالقیوم حقانی ڈیروی کو جنہوں نے ان انمول موتیوں کو اردو زبان کے ذریعہ سر بازار لٹوا دینے کا اہتمام فرمایا۔ جس سے اب متوسط استعداد کے طلبہ کو بھی اعلیٰ تحقیقات تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ فبہ اللہ علی من یسیر علی امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکابر کے بعض امالی اس سے قبل بھی چھپ چکے ہیں مگر ان پر اکثر شیوخ کو نظر ثانی کا موقعہ نہیں ملا۔ مگر حقائق السنن سے متعلق یہ بات قابل مزید اطمینان ہے کہ حضرت شیخ سے خود نظر ثانی کرائی جا رہی ہے۔ خدا کرے کہ شیخ کی زندگی میں ہی یہ اہم علمی ضرورت پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے۔

ایں دعا از من و از خلق جہاں آمین باد

حکومت پاکستان

وزارت امور مذہبی و اقلیتی امور

(پریس نوٹ) قرآن مجید، سیرت النبی اور دیگر اسلامی موضوعات پر خواتین اسکالرز کی تصانیف

انعامی مقابلہ

وزارت مذہبی امور ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ / ۹ جنوری ۱۹۸۲ء سے ۱۱ ربیع ۱۴۰۵ھ (۵ دسمبر ۱۹۸۴ء) تک تین سالوں کے دوران قرآن مجید۔ سیرت النبی اور اسلامی موضوعات پر شائع کردہ کتب کیلئے درج ذیل ایوارڈ کا اعلان کرتی ہے۔

۱۔ قومی زبان (اردو) پنجابی۔ سندھی۔ بلوچی اور پشتو میں موضوعات بالا کے تحت لکھی ہوئی کتب کا مقابلہ۔

پہلا انعام ۳۰،۰۰۰ روپے (صرف قومی زبان اردو کے لئے) دوسرا انعام ۶۰،۰۰۰ روپے (علاقائی زبانوں یعنی پنجابی سندھی، بلوچی اور پشتو کے لئے) تیسرا انعام ۱۰،۰۰۰ روپے (بچوں کے لئے صرف قومی زبان اردو میں)

نوٹ۔ مطلوبہ علاقائی زبانوں میں لکھی گئی ہر بہترین کتاب کے لئے دوسرے انعام کی مخصوص رقم پندرہ ہزار روپے کے حساب سے برابر برابر تقسیم کی جائیگی۔ اور اگر کوئی کتاب مذکورہ بالا انعامات کی مستحق نہ ہو لیکن خاص معیاری ہو تو اس کیلئے حوصلہ افزائی مخصوص انعام کی سفارش کی جا سکتی ہے۔

شرائط۔ ۱۔ اس سال وہ کتابیں شامل مقابلہ ہونگی جو گذشتہ تین سال یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ کے دوران میں شائع کی گئی ہوں

۲۔ کتاب خاتون اسکالر کی تصنیف ہو۔ ۳۔ کتاب اردو، پنجابی، سندھی، اور پشتو میں ہو۔

۴۔ کتاب اصل ہو اور اس سے پہلے کسی دوسری زبان میں شائع شدہ کتاب کا ترجمہ نہ ہو۔

۵۔ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے جامع اور مکمل ہو۔ ۶۔ کتاب کا مواد ٹھوس اور معیاری ہو اور مفہوم کی وضاحت حسن و خوبی سے کی گئی ہو۔ ۷۔ کتاب کی زبان فصیح، اسلوب سادہ اور انداز بیان نہایت دلچسپ ہو۔ نیز جاذب نظر بھی ہو۔

۸۔ کتاب کو تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کی لائبریریوں کے لئے تجویز کیا جا سکے۔

۹۔ کتاب میں کوئی ایسی متنازعہ بات شامل نہ ہو جس سے کسی بھی مکتب فکر، مسلک کی دل آزاری ہوتی ہو۔
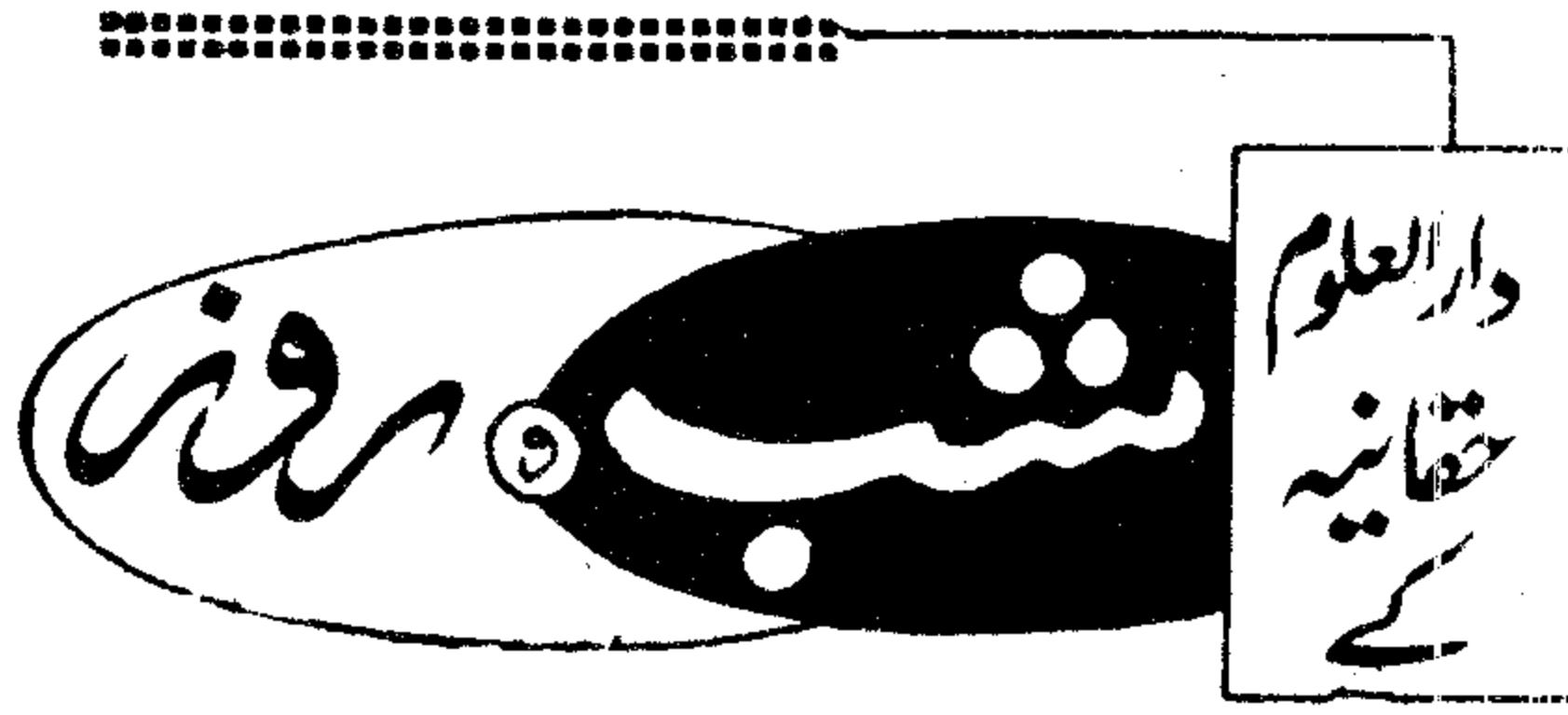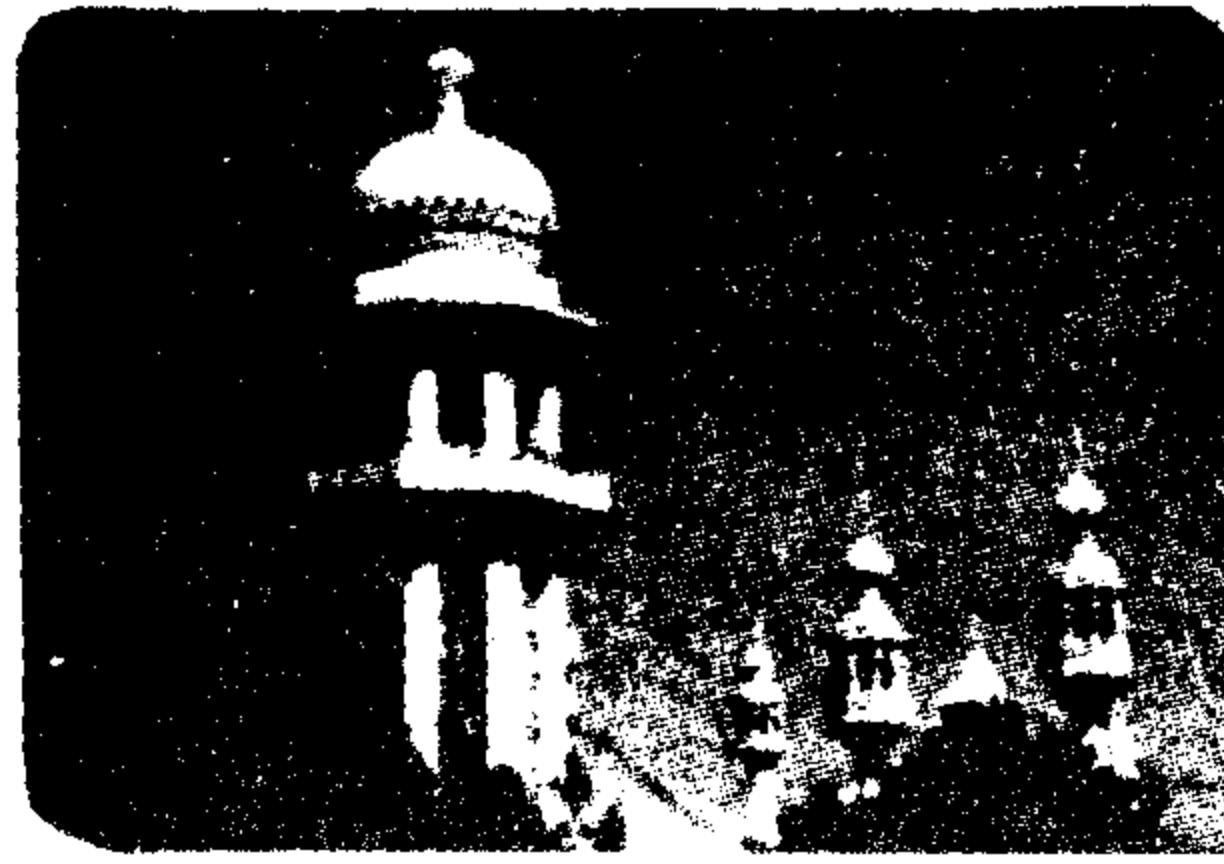
۱۰۔ کتاب طبع شدہ اور شائع شدہ ہو۔ مسودہ مقابلہ میں شامل نہیں کیا جا سکے گا

۱۱۔ البتہ بچوں کیلئے لکھی گئی کتاب صرف اردو میں ہو اور کتاب بچوں کی ذہنی اور علمی سطح سے مطابقت رکھتی ہو باقی شرائط وہی ہوں گی جو سیریل نمبر ۱ تا ۱۰ میں درج ہیں۔

نوٹ (۱) مقابلہ میں شرکت کی خواہشمند خواتین کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ تیس جون ۱۹۸۶ء تک مطلوبہ زبانوں میں اپنی تصانیف کی دس دس کاپیاں ڈاکٹر محمد حنیف ڈپٹی ڈائریکٹر وزارت مذہبی امور اسلام آباد کو ارسال کریں۔

۲۔ بچوں کیلئے شائع کردہ کتابوں کے پیکٹ پر صریحاً "بچوں کیلئے مقابلہ کتب" کے الفاظ جلی حروف میں لکھے ہونے چاہئیں۔

شفیق فاروقی

تقریب ختم بخاری شریف | حسب معمول اس مرتبہ بھی تعلیمی سال کے آخر پر مورخہ ۹ رشعبان ختم بخاری کی تقریب منعقد ہوئی۔ دور دراز سے احباب، متعلقین، مخلصین و معاونین کے اصرار کے باوجود حتمی تاریخ کا تعین نہ کیا جا سکا۔ انعقاد کے ایک دو روز قبل جب ختم بخاری شریف کی تاریخ متعین ہوئی تو بغیر کسی اشتہار و اعلان اور اخباری اطلاع کے قرب وجوار کے اکابر علماء، فضلاء، احباب و مخلصین وابستگان دارالعلوم اور دینی و اسلامی درد سے سرشار حضرات عین وقت پر اس کثرت سے پہنچ گئے کہ دارالعلوم کی وسیع مسجد کو تنگیٔ دامنی کی شکایت رہی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے بخاری شریف کے آخری درس سے قبل دارالعلوم کے شعبہ دارالحفظ والتجوید کے طلباء نے تلاوت، حفظ قرآن، تجوید و قرأت، علمی سوالات، تذکرہ مسائل، سوال و جواب، تقریریں، دلچسپ مکالمے اور مذاکرے کر کے حاضرین کے دل موہ لئے اور خوب داد و تحسین وصول کی۔

حاضرین دارالحفظ کے احوال، اساتذہ کی نگرانی و ترتیب سے خوش ہوئے اور طلبہ کے ایمان افروز کردار سے بہت حظ وافر حاصل کیا اور متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آخر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی تقریر اور دعا پر یہ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

مدیر الحق کا سفر عمرہ وغیرہ | رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مدیر الحق جناب مولانا سمیع الحق عمرہ اور زیارت حرمین شریفین کی غرض سے حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ وہاں سے فراغت کے بعد بعض اہم تعلیمی، تبلیغی اور اشاعتی مسائل اور اہم امور کے پیش نظر مصر اور بغداد وغیرہ بھی جائیں گے۔ اس سفر میں جناب شفیق فاروقی صاحب منیجر الحق بھی آپ کے ہمراہ ہیں۔

امتحانات و تعطیلات | شعبان میں حسب سابق دارالعلوم کے سالانہ امتحانات منعقد ہوئے۔ طلبہ دورہ حدیث اور دیگر مختلف وفاقی درجات کے لئے کراچی، پشاور اور مردان سے وفاق المدارس کے بورڈ کے تحت نگران حضرات تشریف لائے۔ اور چھ روز تک مسلسل امتحانات جاری رہے۔ باقی طلبہ کے تحریری و تقریری امتحانات دارالعلوم کے اساتذہ اور انتظامیہ کی نگرانی میں مکمل ہوئے۔ اور بحمداللہ نتائج حوصلہ افزا رہے۔ شعبان کے دوسرے

عشرہ میں حسب معمول طلبہ درس نظامی کے سالانہ تعطیلات کا اعلان ہوا۔ تاہم شعبہ دارالحفظ، دفتر اہتمام، ماہنامہ الحق، مطبخ، کتب خانہ، تبلیغ واشاعت، دارالتصنیف اور دارالافتاء وغیرہ تمام شعبہ جات میں حسب معمول کام جاری رہا۔

سہ روزہ مقابلہ حفظ القرآن | چونکہ رمضان المبارک قرآن کا مہینہ ہے اسی مناسبت سے دارالحفظ کے اساتذہ نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مشورہ سے جامع مسجد دارالعلوم میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں طلبہ دارالحفظ کے سہ روزہ مقابلہ قرآن کا پروگرام مرتب فرمایا۔ جس میں سات سال سے ۱۸ سال تک کی عمر کے طلبہ نے حصہ لیا۔
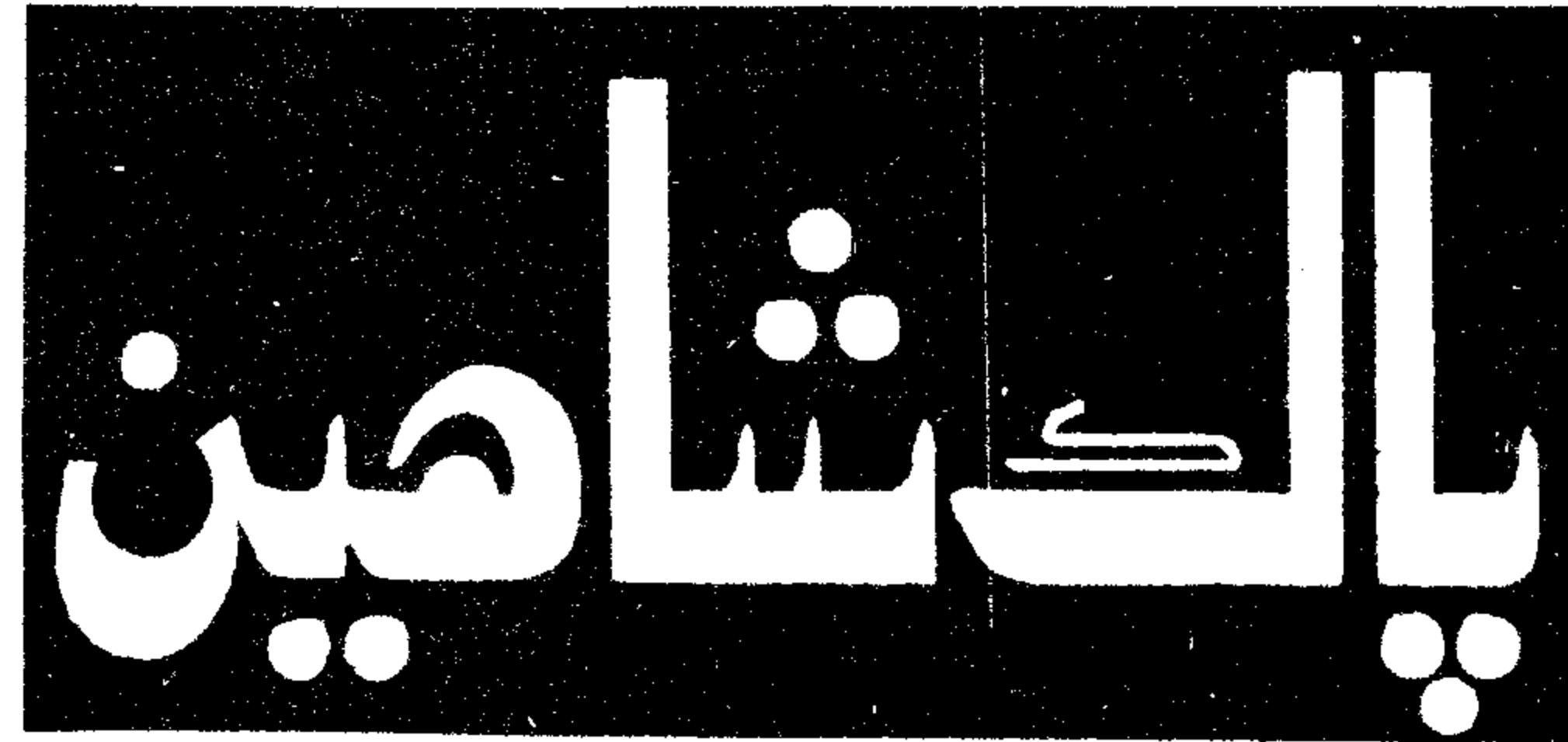
شام کے ۹ بجے سے صبح کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ حاضرین وسامعین دور دور سے مسافت طے کر کے آتے اور طلبہ کے اس روح پرور اور ایمان آفرین کردار سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ شب بیداری میں شریک رہتے۔ طلبہ کے اس مثالی اور شاندار پروگرام سے علاقہ بھر میں حفظ القرآن کی اہمیت وعظمت اور حفظ واشاعت قرآنی کا زبردست جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ خدا کرے کہ پوری قوم اور ملت کے لئے اس کے دور رس اور انقلابی نتائج وثمرات حاصل ہوں۔ علاوہ ازیں دارالحفظ کے دسیوں طلبہ نے اکوڑہ، نوشہرہ اور ان کے ملحقات کی مساجد میں تراویح میں قرآن سنایا اور علاقہ بھر قرآنی انوار وبرکات سے منور رہا۔

مسجد شیخ الحدیث میں ختم القرآن | شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے برخوردار مولانا انوارالحق فاضل ومدرس دارالعلوم حقانیہ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ قدیم دارالعلوم (مسجد شیخ الحدیث) میں حضرت مدظلہم کو ہر سال تراویح میں قرآن سنایا کرتے ہیں۔ اس سال بھی حسب سابق اپنی مسجد میں قرآن سنایا۔ تراویح میں اہل محلہ کے علاوہ دور دراز کے احباب ومخلصین بھی شریک رہے۔

۲۷ رمضان المبارک کو ختم قرآن کی تقریب منعقد ہوئی۔ مولانا عبدالقیوم حقانی نے تقریر کی۔ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے جملہ حاضرین وسامعین دارالعلوم کے مخلصین ومعاونین، افغان مجاہدین ومہاجرین اور تمام ملت وامت کے لئے دعائیں کیں۔

ترجمہ ودورہ تفسیر | اس سال بھی حسب سابق دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں ترجمۂ قرآن بصورت دورۂ تفسیر ۶ ارشعبان سے ۲۲ رمضان تک جاری رہا۔ دارالعلوم کے فاضل ومدرس مولانا عبدالقیوم حقانی روزانہ دارالحدیث میں چار پانچ گھنٹے درس دیتے رہے۔ شرکاء میں علماء، دارالعلوم کے فضلاء، دینی مدارس کے طلباء کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور عامۃ المسلمین کی تعداد حاضری سو سے زائد رہی۔ ۷۰ سے زائد طلبہ کو باقاعدہ داخلہ دیا گیا۔ ۲۲ رمضان المبارک کو ختم تفسیر وتقسیم اسناد کی اختتامی تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت

شیخ الحدیث مدظلہ کی قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت اور مولانا سمیع الحق کے سفر عمرہ کی وجہ سے مولانا اسید اللہ صاحب نے آخری درس دیا۔ اور اس روز کامیاب ہونے والے طلبہ میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دیگر اساتذہ دارالعلوم کے دستخطوں سے مزین سندات تفسیر طلبہ میں تقسیم کئے گئے۔ نیز اعلیٰ درجات حاصل کرنے والے طلبہ میں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی (اٹک) کے عنایت فرمودہ کتب بطور انعام تقسیم کئے گئے۔

مولانا مدرار اللہ مدرار نقشبندی
ڈسٹرکٹ خطیب مردان

ہدیۂ خوش آمدید

بخدمت اقدس قائد شریعت، سراج الامت قطب الارشاد
حضرت مولانا عبد الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ

۱۷ اپریل ۸۶ء کو پشاور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ نے علماء کنونشن بلایا۔ سرحد بھر سے مشائخ اکابر علماء اور سینکڑوں فضلاء حقانیہ نے شرکت کی۔ اس موقع پر مشہور صاحب قلم بزرگ مولانا مدرار اللہ مدرار نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں ہدیۂ خوش آمدید کے عنوان سے فارسی نظم میں ایک ہدیۂ سپاس پیش کیا۔ ذیل میں وہی نظم افادۂ عام کے پیش نظر نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

اے قائد شریعت وملت خوش آمدید — اے قطب وقت پیر طریقت خوش آمدید
اے عبد حق" مجاہد اسلام مرد حق — اے صاحب عزیمت وعظمت خوش آمدید
از ما قبول باد تحیاتِ احترام — با تحفۂ سلام مودت خوش آمدید
رفت است صیت فضل وکمالت بہ بحر وبر — اے حامل علوم نبوت خوش آمدید
عزم شماست خدمت وترویج دینِ حق — باشید کامیاب وسلامت خوش آمدید
ما بیعت جہاد بدست تو کردہ ایم — اے میر کاروان شریعت خوش آمدید
گویم بہ رفیقانِ شما خیر مقدم — با صد خلوص ولطف ومحبت خوش آمدید
مقصود شما سمت قبلہ راست کردن است — اے راہروان جادۂ سنت خوش آمدید
مارا قبول نیست جز نظام مصطفےٰ — این ہست عزم وجذبۂ ملت خوش آمدید
قربان کنیم جاں ز نظام محمدی — رد کردہ ایم غیر شریعت خوش آمدید

یارب نگاہ دار ز ہر شر دیار ما
روشن بکن بنور شریعت وقار ما
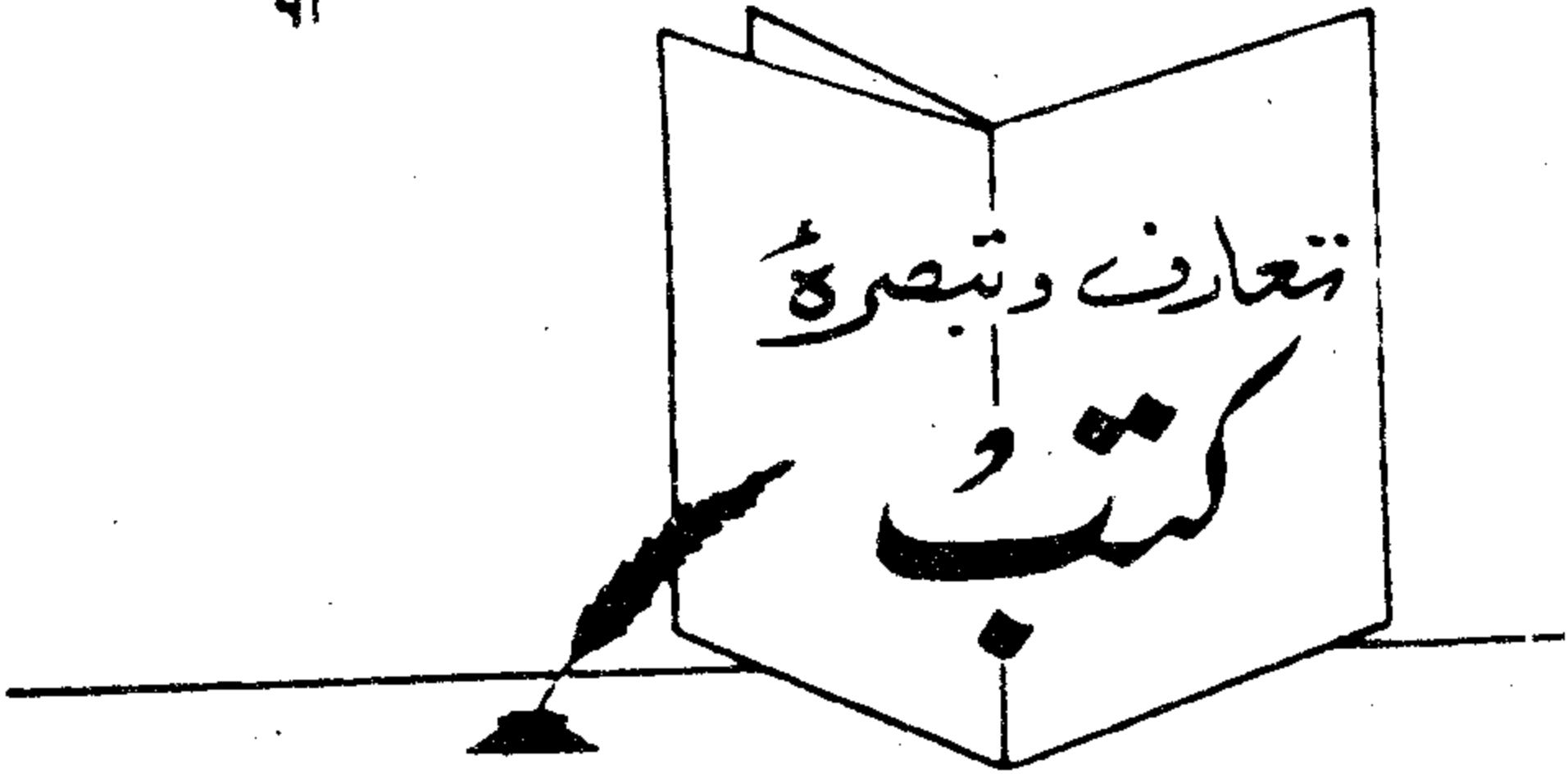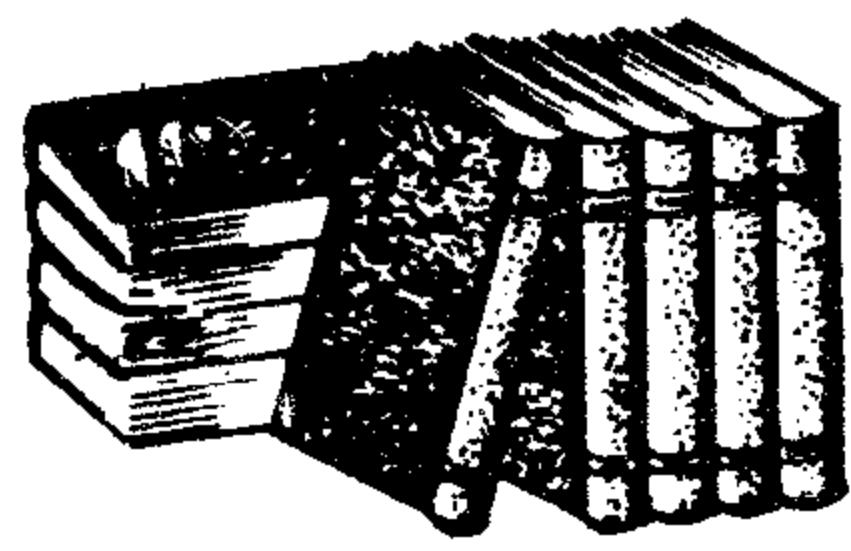
السبیل الاقوم فی حیاۃ سید العرب والعجم
المعروف بہ حیات النبی سے متعلق سنی مسلمانوں کا عقیدہ

تالیف: مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی صفحات ۳۰۔
پتہ۔ شعبہ نشر واشاعت مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی
ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ـــــــ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ عقائد علماء دیوبند میں اسکی تصریح کردی ہے۔ اور اکابر علماء دیوبند کے اس پر دستخط ثبت ہیں مگر بعض ناسمجھوں نے ایسے بدیہی اور واضح مسائل کو بھی صرف اپنے تعارف اور گروہی تعصب کا عنوان بنا کر اپنے بحث و مناظرہ اور تصنیف و تالیف کا ہدف اور تختۂ مشق بنا دیا اور اپنے آخرت کے انجام سے بے نیاز ہو کر امت کے شیرازۂ وحدت میں شگاف ڈالنے کی نامسعود سعی کی۔

اکابر علماء دیوبند اور اہل حق نے اس کا دفاع کیا اصل حقیقت واضح کی اور اس موضوع پر نئے نئے اور اچھوتے انداز میں کتابیں لکھی جاتی رہیں زیر تبصرہ کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے اہل درد اور صاحب دل بزرگ علامہ قاضی عبدالکریم کلاچوی نے مرتب فرمایا ہے۔ مقدمہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی قلم سے ہے۔ کتابچہ مختصر ہونے کے باوجود جامع اور نافع ہے جس میں اصل مسئلہ کو مختصر مگر واضح دلائل اور آسان و سادہ اور سلیس تحریر سے منقح کر دیا گیا ہے۔

کیا ہی بہتر ہو اگر اہل خیر کے تعاون سے دوسرا پاکٹ سائز ایڈیشن چھپوا کر جن علاقوں میں یہ مسئلہ انتشار کا باعث بنا ہوا ہے وہاں مفت تقسیم کر دیا جائے تاکہ افادیت زیادہ ہو اور مسئلہ کی حقیقت کو سب سمجھ سکیں۔ (ع ق ح)

متفقہ فتویٰ | از مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی۔ صفحات ۳۲۔ قیمت ۲ روپے
پتہ۔ مدرسہ عربی نجم المدارس۔ کلاچی۔ ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

رسوائے زمانہ عائلی قوانین کی شناعت و قباحت اور خلاف اسلام ہونے پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ پاکستان کے جمہور و غیور مسلمانوں نے اس کے خلاف ملک گیر احتجاج بھی کیا ہے مگر ... ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ ان ہی قوانین میں ایک نحوست یہ بھی ہے کہ عدالتوں میں جج صاحبان شرعی ... اور اسلامی ضابطوں کو ملحوظ رکھے بغیر طلاق واقع کر دیتے ہیں۔ اس نوع کے سرکاری فیصلوں کے بعد ... دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہیں۔ ایوبی شریعت (عائلی قوانین) کے اس لعنتی نظام کی وجہ سے ملک میں کثرت

سے مسلمان مرد و خواتین غیر شرعی تعلق ازدواج کی وجہ سے زنا اور ولدالزنا کا ارتکاب کر رہے ہیں۔
حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی نے قرآن و سنت اور اجماع امت کے واضح اور قطعی دلائل کی روشنی میں حقیقت مسئلہ پر مبنی ایک تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔ جس پر ملک بھر سے ۵۰۰ اکابر علماء اور مشائخ اور مفتیان عظام نے تائیدی آراء اور دستخط ثبت فرمائے ہیں۔
تحریک شریعت برائے نفاذ فقہ حنفیہ نے اسے بروقت شائع کر کے افراد ملت کی بجا طور پر درست راہ نمائی کی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ علماء، فضلاء، خطباء، مبلغین اور دینی درد سے سرشار حضرات اس ذمہ داری کو کہاں تک نبھاتے اور اس تحریک کو کہاں تک پھیلاتے ہیں جو جتنا آگے آئیگا اجر و ثواب میں بھی سبقت لیجائیگا۔ (ع۔ق۔ح)

عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں تصنیف مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، صفحات ۴۰۰، قیمت درج نہیں۔
پتہ مجلس دعوت حق و تحقیق اسلامی۔ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ عائلی قوانین ایوبی دور کی بدترین یادگار ہیں جو قرآن اور حدیث اور اسلامی تعلیمات کے خلاف اور اسلامی قوانین سے سراسر بغاوت ہے ان کا ماخذ منکر حدیث غلام احمد پرویز کی کتابیں ہیں مگر حکومتیں اب تک یہ باور کراتی رہیں کہ عائلی قوانین ایکٹ پر قرآن و شریعت کی مہر لگی ہوئی ہے بدقسمتی سے ۷۳ء کے آئین میں بھی دفعہ ۲۰۳ سی کے تحت اسے تحفظ دیا گیا ہے موجودہ حکومت بھی اسلام کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود اپنے آقاؤں اور پیشروؤں کی طرح اس لعنت و نحوست کے تحفظ و دفاع کا شرمناک کردار ادا کر رہی ہے۔ اب جب کہ ایوان میں شریعت بل اور نواں ترمیمی بل پیش ہے ممبران پارلیمنٹ کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ اس لعنتی نظام و نحوست سے ملک و قوم کو نجات دلائیں۔

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی کے رئیس الافتاء شیخ الحدیث اور جید عالم دین ہیں نے وقت کی ضرورت کو محسوس کر کے حالات کی نزاکت کو ملحوظ رکھ کر ۴۰۰ صفحات کی لاجواب کتاب تصنیف فرمائی جس میں عائلی قوانین کا زبردست پوسٹ مارٹم فرمایا۔ دلائل و براہین سے ان کا غیر اسلامی، غیر انسانی اور غیر فطری ہونا ثابت کیا ہے۔ ان کے قومی و ملی سطح کے نقصانات اور تباہی و مضرتوں سے آگاہ کیا ہے اور بروقت تمام ممبران پارلیمنٹ میں اس کے نسخے بھی تقسیم کرا دیے ہیں خدا کرے کہ ملت کا ہر فرد اس گراں قدر علمی تحفہ سے استفادہ کر کے عائلی قوانین کی نحوست سے ملک کو نجات دلانے کے عملی جہاد میں شریک ہو۔ (ع۔ق۔ح)

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ مضامین لکھتے وقت حواشی ہر صفحہ کے اخیر پر تحریر کئے جائیں نہ کہ تمام حواشی مضمون کے آخر میں الگ صفحہ پر لکھے جائیں تاکہ کتابت میں غلطی سے بچا جا سکے۔

شارٹ نوٹس۔ کوٹیشن مطلوب ہیں

مندرجہ ذیل مشینری خریدنے کے لیے مینوفیکچرز / سپلائیرز اور ایجنٹوں سے سیل شدہ کوٹیشنز مطلوب ہیں۔ جوکہ زیر دستخطی کو ۲۸ جون ۸۶ء کو یا اس سے پہلے پہنچ جانے چاہئیں نرخوں کے ساتھ مکمل نمونے بھی منسلک ہونے چاہئیں۔

سیریل نمبر	نام مشینری	تعداد
۱۔	سٹون کرشر (موبائل) چائنا ۱۴-۷-۴ — 3 گھنٹے گنجائش 20 ایم ایم تا 80 ایم ایم سٹون سائز جوکہ 24 ہارس پاور کے ڈیزل انجن کے ساتھ فٹ ہوا ہو۔	۱ عدد
۲۔	ایئر کمپریسیر 175 سی سی۔ جوکہ ٹرالی کے اوپر لگا ہوا ہو (جاپان)	۶ عدد
۳۔	ہینڈ راک ڈرل مشین 26 کلوگرام (POINJAR) یا اس کے مساوی، جوکہ گیسولین انجن کے ساتھ فٹ ہوا ہو اور تمام آلات کے ساتھ مکمل ہو۔	6 عدد
۴۔	ویل ڈوزر، جوکہ اینگلنگ بلیڈ کے ساتھ منسلک ہوتا ہو (۱۰۰، 120 ہارس پاور) بمعہ ۱۰ فی صد	۱ عدد

دستخط

ایگزیکٹو انجینئر
میکنیکل ڈویژن
سی اینڈ ڈبلیو ڈیپارٹمنٹ
پشاور

INF (P) 1831